استعمال شدہ محبت

ایسی محبت جو پہن لی تو عمر
بھر اپنے برہنا پن کو دیکھنا ہوگا



ابن عبداللہ

استعمال شدہ محبت

ابن عبداللہ

انتساب!!

استعمال شدہ محبتوں کے نام جو روح کو غم
سے آشنا کر کے انسان کو دکھوں کا گاہل بناتی ہیں

پیش لفظ

شاید آپ کو یہ نام عجیب لگے پر حقیقت میں کچھ لباسوں کی طرح کچھ محبتیں بھی استعمال شدہ ہوتی ہیں۔

لنڈے سے خریدے گئے استعمال شدہ کپڑوں کی طرح ان سے بھی اترن کی بو پھیلتی ہے جو ہمیشہ آپ کو اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ آپ نے پہلی نہیں دوسری محبت ہیں۔ جیسے استعمال شدہ کپڑے کبھی بھی آپ کے بدن پر فٹ نہیں ہوتے ہیں ویسے ہی استعمال شدہ محبت کبھی آپ کی روح فٹ نہیں ہوتی ہے۔ کھینچ تان کر اگر آپ اسے اپنی روح پر بٹھا بھی دیں تو بھی شاید کہیں نہ کہیں سے یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ محبت آپ کی نہیں ہے۔

اور جب جب آپ کو اس بات کا احساس ہوتا ہے آپ کی روح اس کتاب میں پھیلے ہوئے لفظوں کی طرح بوجھل ہو جاتی ہے۔

میرے خیال سے کتاب کا نام اس کتاب کے متن سے الگ ہے۔ پر ضروری نہیں ہے ہر بار ایسا ہو۔ بلکل ویسے ہی جیسے آپ برسوں کسی سے محبت کریں اور بعد میں معلوم ہو کہ وہ محبت تو محض ایک خام خیالی تھی۔

محبت روح کی غذا ہوتی ہے اور جب روح بیمار ہو جائے تو پھر دکھ کے الفاظ چاہے جس کے لئے بھی کہے گئے ہوں آپ کو اپنے لئے لگتے ہیں۔

اس لئے میں نے اس کتاب کا نام یہ رکھا۔

ان تمام بیمار روحوں کے لئے جنہوں نے استعمال شدہ محبت کا ذائقہ چکھا اور اس کی تلخی ان کی

روح کو کھا گئی۔

یہ شاید دو طرف دکھوں کے لئے ہے۔ان کے لئے بھی جنہوں نے استعمال شدہ کا درد سہا اور ان کے لئے بھی جو استعمال ہوئے۔اور استعمال شدہ میں ان کا بھی نام آیا۔

افسوس ان نامراد روحوں پر جو اس کتاب کے عنوان کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔وقت ہمیں یہی ایک بات سکھاتا ہے کہ ہم اس زندگی کے بار میں ارزاں داموں اسی محبت کے نام پر بکتے ہیں۔استعمال ہوتے ہیں اور شاید کہیں نہ کہیں جانے انجانے میں کسی کو استعمال کرتے ہیں۔

وقت گزاری کے لئے انسان نے انسانی دلوں کا خوب استعمال کیا ہے گو کہ دل قیمتی ہوتے ہیں پر ہم انسانوں کی منڈی میں شاید اب اس کے دام بہت تھوڑے ہیں۔

کیا آپ نے کسی کی پہلی محبت دیکھی؟

اس کی خوشبو کو چھوا؟

اگر ہاں تو آپ خوش قسمت ہیں۔۔کہ آپ کا دل اس زخم سے بھرا نہیں۔

یہ لفظ سارے ان دکھوں کے نام جو استعمال شدہ محبتوں سے جڑے ہوئے ہیں!!

ابن عبد اللہ

03078625600

فرار

سپیدہ سحر نمودار ہوئی اور کائنات نوخیز دلہن کی طرح مسکرا اٹھی۔۔پرندے اپنے ترانوں سے کلیوں کو بیدار کرنے لگے اور نسیم سحر کے خوشگوار جھونکے یوں بے چین ہونے لگے جیسے شہر کی گلیوں میں کوئی بھوکا فقیر۔آسمان کے وسعتوں میں بادل کے ٹکڑے منتشر بھیڑوں کی طرح پھر رہے ہیں اور ان سب کے بیچ عبداللہ افسردہ ساوقت کو دبے پاؤں گزرتا دیکھ رہا۔۔

اور پھر افق پر کسی نادیدہ وجود کو مخاطب کر کے کہنے لگا:

اے راحت جان۔۔!!عقل کہتی ھے آدمی کے دل میں محبت وہ شعلہ ھے جو انسان کو جلا کر رکھ دیتا۔۔لیکن جب میں اور تم ملے تو میرے دل نے مجھ پر یہ راز فاش کر دیا کے میں تو تمہیں صدیوں سے جانتا ہوں اور فقط تمہاری ہی تلاش میں مجھے خلد سے اتارا گیا تھا۔۔میں محبت کی پہلی نظر کو محض نظر نہیں مانتا۔۔۔وہ نظر جس نے ہماری دھڑکنوں کو ہم آہنگ کر دیا تھا اس نے مجھے کبھی نہ فنا ہونے والے جذبے محبت سے ملایا تھا وہ محبت جو ناتواں وجود کا سکون ھے۔۔وہ محبت جو آسمانی حکمت ھے جو باطن کی آنکھ کو کھول دیتی ہے

محبت ایک گہری دھند ہے جو روح کو ڈھانپ لیتی ھے بلکل ویسے جیسے سرما کی صبح کو منظر کہرے کی چادر میں روپوش ہوتے ہیں۔۔محبت زندگی کی تلخیوں کو نظروں سے چھپا دیتی اور انسان اپنی آرزوں کے سایوں بڑھتے دیکھتا ہے۔۔

بھول جاؤ عبداللہ محبت کیا ھے سب بھول جاؤ کچھ دیر کے لئے صفحہ دل کو فراموش کر دو۔۔اسے بھول جاؤ۔۔۔غم والم کو بھول جاؤ اس سے بچھڑ جانے کے خوف کو بھول جاؤ۔۔ان گزرے لمحات کو بھول جاؤ جن میں محبت تمہارے ساتھ تھی پاس تھی کم از کم کچھ دیر کے لئے ہی سب بھول جاؤ۔۔۔خود کو

ازیت نہ دو اپنے ارد گرد مسلط بہار کو دیکھو اور پھولوں سے خوشبو لو اور حال میں کہیں کھو جاؤ جیسے بلبل کا نغمہ بہار کی ہواؤں میں تحلیل ہو جاتا ھے۔۔۔

عبداللہ کے اندر کوئی چیخنے لگا تھا اور وہ گھبرا گیا۔۔۔

اف۔۔ اٹھو۔۔۔ بہار کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو اور اس کی دلفریبیوں سے دل کو راحت بخشو۔۔۔ کیوں نہ آخر میسر مسرت سے فائدہ اٹھایا جائے اور وقت کی سیماب لہروں پر زندگی کا نغمہ گایا جائے۔۔۔

اس کے اندر کوئی مسلسل چیخ رہا تھا۔

عبداللہ اٹھا اور بھاگ نکلا۔۔ اس کے اندر کی آواز اب بھی اس کے تعاقب میں تھی!



مردہ خواہشیں

تاریکی نے اپنا سیاہ آنچل کائنات پر پھیلا دیا اور ہوا کی میٹھی لوریوں پر کائنات سو سی گئی۔۔ کبھی کبھی کوئی شب بیدار پرندہ بول اٹھتا ھے ورنہ اس کے سوا ہر سو خاموشی جیسے مردوں کی بستی میں سکوت چھایا سا ہوتا ھے۔۔ اسمان پر سے کچھ ستارے کبھی کبھی جھانک کر دیکھ لیتے ہیں اور پھر اونگنے لگتے ہیں۔۔ چاند بادلوں سے آنکھ مچولی کھیل رہا ھے اور دیکھنے سے یوں معلوم پڑھتا ھے جیسے کوئی جل پری پردے کی اوٹ میں چھپ کر چل رہی ہو۔۔۔ ہوا کے جھونکے کچھ دیر کے لئے ٹہنیوں پر پتوں کو زندہ کر دیتے یا پھر جھینگر کی آواز سناٹے کو توڑ دیتی ھے۔۔ درخت سر جھکائے جانے کیا سوچ رہے ہیں اور دور پہاڑیاں آپس میں سر جوڑے کانا پھوسی سی کرتی نظر آتی ہیں۔۔ جیسے دو ہم جولیاں مدتوں بعد ملی ہوں۔۔

جھاڑیوں پر جگنو بے تابی سے جل رہے ہیں اور میں سر جھکائے سوچ رہا ہوں کے زندگی مردہ خواہشوں کا جنازہ ھے جس ہم اپنے کاندھے پر اٹھائے بس چلے جا رہے ہیں!



فیصلے

کچھ تکلیف دہ فیصلے نہ چاہتے ہوئے بھی لینے پڑھ جاتے ہیں۔۔جو رشتے آپ کو اذیت اور دکھ دیں ان سے کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہیے روز مرنے سے بہتر ھے بندہ خود کو ایک بار مارے اور خاموشی سے اپنے اندر ایک قبر کھودے اور اس میں اپنے آپ کو دفن کر دے۔۔۔سچ کہوں تو ہمارے اندر ویسے بھی بہت سے قبریں ہوتیں ہیں جن میں ہم کچھ نہ کچھ دفناتے ہی رہتے ہیں۔۔ کبھی خواہشیں تو کبھی احساس اور کبھی وہ ان کہی باتیں جو آپ کہنا چاہتے ہیں۔۔۔ہر انسان کے اندر ایک قبرستان ھے اور ہر شخص گورکن!



مسرت قلبی

سورج نے مغرب میں دم توڑ دیا اور افق کے کنارے یوں سرخ ہونے لگے جیسے کسی حسین کے ہاتھوں میں مہندی کی لالی۔۔۔مست خرم ہوائیں فضا میں اداس اداس پھرنے لگیں اور تھکے ہارے پرندے اپنے گھونسلوں کی سمت گرو در گرو چلنے لگے۔۔میں ہجوم میں سے جدا ہوا اور گوشہ تنہائی میں آ بیٹھا۔!!

۔زندگی نے مجھے تھکا کر رکھ دیا اور رشتوں نے میرے احساس قتل کر ڈالے۔۔میری حالت اس "آرزو" کی سی ھے جسے دل بڑی چاہ سے پالتا ھے پر جیسے ہی اس "آرزو" کی تکمیل ہونے لگتی ھے تو وقت کا بے رحم ہاتھ اسے "حسرت" میں بدل دیتا ھے۔۔۔اور میری روح۔۔وہ زمانے کی بھیڑ میں کہیں کھو گئی اب میرے اندر مہیب سناٹا ھے جیسے قبر کا سینہ دل کی تار شکستہ ہو کر ٹوٹ چکے اور نغمے خاموشی میں دفن۔۔اب اس میں کوئی نئی امنگیں اور خواہشیں پیدا نہیں ہوتیں ایک غریب کے کھیت کی طرح بنجر یا بانجھ عورت کی گودھ کی طرح خالی میرے ارد گرد بہار قہقہے لگا رہی اور پرندوں کی چہک میرے حال پر

تمسخر معلوم ہوتی ھے۔۔ کوئل کی کوک بھی مرقعہ الم ھے اور بلبل کا پر سرور نغمہ بھی غم آلود نوحہ!!
۔۔ میری خوشیاں گداگر کی صدا کی طرح فضا میں تحلیل ہو گئیں اور آنے والا ہر لمحہ الم رسیدہ دل پر ناکامیوں کی راکھ جھاڑ دیتا ہے

بہار کی ہوا نے مجھے سہلانے کی کوشش پر آہ۔۔ ایک افسردہ دل کے لئے بہار کی خشگوار ہوا خزاں کی گہری تاریکی ہے

میری نگاہ شفق کی سرخی پر ھے جو دھیرے دھیرے مٹ رہی ھے شاید وہ بھی میرے بڑھتے ہوئے درد والم سے دل فگار ہے

اف اطمینان قلبی اور مسرت زندگی دونوں ہی مجھ سے چھین لی گئیں

اب قلم مزید ادسی کا بوجھ سنبھال نہیں پارہا تو۔۔۔ چلو الواع کہتے ہیں گئے دنوں کی تلاش میں ایک سفر اختیار کرتے ہیں۔۔۔شاید عہد رفتہ جیسے بچپن میں کوئی مسرت امیز پل مل جائے اور ہم زندگی پر ہنس سکیں!



موت

کائنات نے تاریکی کا لباس اتار پھینکا اور نور غالب آگیا تو میں مردوں کی بستی میں جا پہنچا۔۔ برگد کے تناور درختوں کی جھڑیں مردوں کی پسلیوں میں پیوست ان کا خون چوس رہی تھیں اور ہڈیاں اور کھوپڑیاں ٹوٹی قبروں سے تاکا جھانکی کرتے ہوئے بزبان حال کہہ رہیں تھیں دنیا کی زندگی سراپا دھوکا اور مشقت ھے۔۔ میں آہستہ سے چلتے ہوئے اس مٹی کے ڈھیر پر جار کا جس کے نیچے عبداللہ کی آرزوئیں اور ارمان دفن ہیں۔۔ کہنے والے کہتے ہیں یہاں عبداللہ کے والد ابدیت کی چادر اوڑھے سو رہے ہیں۔۔۔ پر عبداللہ جانتا ھے باپ کی موت خواہشیں کی موت ہوتی ہے!۔



انتظار

رات سیاہ ہے کسی حسینہ کی آنکھ کی طرح تاریکی ایسی جیسے کسی کا سویا ہوا نصیب ہو۔۔۔میرے ارد گرد وحشت زدہ چہرے ہیں موت کے خوف تلے دبے سے۔۔۔ہر آہٹ پر وہ چونک سے جاتے ہیں۔۔۔ کھڑکی سے باہر شاخوں پر پتے سو چکے ہیں اور رات اپنا آدھا دور مکمل کرنے کو ھے۔۔کبھی کوئی مریض درد سے کراہنے لگتا ھے خاموشی کچھ دیر کو ٹوٹ سی جاتی ھے۔۔۔لوگ بھاگ رہے ہیں۔۔۔موت سے پر وہ نہیں جانتے کے موت تو نجات ھے۔۔۔زندگی کی تلخیوں اور محرومیوں سے نجات۔۔۔ہم انجام کی سمت آہستہ آہستہ چلے جارہے ہیں موت یوں بانہے پھیلائے کھڑی ھے جیسے مدتوں بات ماں اپنی اولاد کو دہلیز پر کھڑے بانہے کھولے ملتی ھے۔۔۔پر موت کی آمد کب ہو کس کو خبر ھے۔۔بہار کی چمکیلی صبح ہو خزاں کی بھیانک رات۔۔کوئی افسردہ سی دوپہر ھو یا پرسکون شام کوئی اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں نہیں ہے۔۔بس ایک انتظار ہے!



اے ملکہ موت

اس پرشور دنیا سے نجات دلانے والی ملکہ موت۔۔تو آ۔۔۔اور میری ان تھکی تھکی آنکھوں کو بند کردے۔۔مجھے زندگی، کی اذیتوں نے تھکا دیا۔۔اور دل افسردہ اب بے چارگی سے پاش پاش ہے

موت کی دیوی۔۔تو میری تھکن سے چور روح کو اپنے دامن میں چھپا دے جیسے ماں بچے کو آنچل میں چھپالیتی ہے

رات سیاہ لبادے میں ملبوس ھے۔چاند غمزہ سازمین پر جھانک رہاہے۔۔اور کبھی کبھی سرد ہوا کے جھونکے بدن محسوس کرتا ہے۔

اے خوبصورت ساحرہ!! مجھے اپنے سحر میں جھکڑ دے مجھے بہت دور لے چل۔۔۔ اس دنیا سے بہت دور جہاں یہ ہنگامے نہ ہوں جہاں یہ بڑھتی ہوئی افسردگیاں نہ ہوں۔۔۔ اے موت کی ملکہ جلدی کر۔۔۔ تو وہ گیت گا جسے سن کر روحیں ساکت ہو جاتی ہیں!



خیال

تصویریں اور محبتیں بوڑھے نہیں ہوا کرتی ہیں!!



جھریاں

رشتے اگر آپ سے پہلے بوڑھے ہو جائیں تو پھر جھریاں روح پر نمودار ہوتی ہیں۔۔۔!!



ناموجود

جب میں نے کہا اس وقت میں "ناموجود" کو دیکھ سکتا ہوں تو میرے دماغ نے سرزنش کی اور دل نے کہا تم سچے ہو!



سوال

ہمارے گاؤں کے ایک بزرگ جو مولویوں کے سخت نالاں ہیں ان سے کل ایک مولانا نے پوچھا کہ تم سے کل اللہ پوچھے گا میرے لئے کیا کر کے آئے ہو تو وہاں کیا جواب دو گے؟ تم نے تو کچھ کیا ہی نہیں بس پیپل کی چھاؤں تلے بیٹھے حقہ ہی پیتے رہے۔

تو وہ بزرگ کچھ دیر کے لئے چپ ہو گئے اور پھر بولے۔

میں اللہ سے کہوں گا کہ ساری زندگی کچھ نہ کر سکا پر دل میں جس مقام پر اللہ جی آپ کو رکھا اس مقام پر کسی کو نہیں رکھا

اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اللہ میاں اس بوڑھے کو کیا جواب دیں گے آگے سے؟

جو ساری زندگی حقہ پیتا رہا!!



تلاش

۔میری روح کسی معنویت کی تلاش میں ھے پر اس معنویت کے لئے جس حضوریت کا اہتمام لازم ھے میں اس کے بجائے کسی معجزے کا منتظر ہوں

وہ دھیان و گیان جو برگد کے عمر رسیدہ پتوں سے چلہ کشی کے بعد معرفت بن کر قلب و دماغ کو کوئی راستہ دکھاتا ھے میرے لئے اس کا انتظار کرنا شاید مشکل ھے!



دوسری محبت

کسی انسان کے جھوٹے ہونے کے لئے یہ کافی ھے کہ وہ دوسری محبت کرے۔۔۔محبت کوئی لباس نہیں کہ ایک میلا ہو گیا تو دوسرا پہن لیا۔۔۔پھٹ گیا تو بدل لیا۔۔۔محبت تو وہ ابدی نیند ہے جو کفن پہن کر انسان ہمیشہ کے لئے سو جاتا ھے۔۔۔کفن کبھی بدلے نہیں جاتے ہیں!!



نغمہ

تمھارے پازیب کی آواز

میرا پسندیدہ نغمہ ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆



بھلا وقت تھا۔

لاھور شہر قلعے کی دیواروں کے آس پاس تک محدود تھا۔

راوی کو بھی ایسی لاھور سے محبت تھی کہ وہ خضری دروازے (موجودہ شیر ان والا دروازہ) کے ساتھ بہتا تھا۔

ملکہ اور کنیزیں اس دروازے سے کشتی میں اترتیں اور راوی کی سیر کو نکل جاتیں۔

تب دریائے روای بھی جوان تھا۔اسکی موجوں نے جانے کتنی شہزادیوں کے کو پاؤں چھوا تھا جانے کتنی بار وہ کسی شہزادی کے پاؤں سے پازیب بن کر کھنکا تھا۔

منزلوں پر منزلیں سر کرتا ہوا راوی جب لاھور میں داخل ہوتا تو مغلوں کے جاہ و جلال سے دم سادھ لیتا تھا۔

کون جانتا ہے کے نور جہاں، انار کلی جیسی کتنی شہزادیوں کی محبتوں کا یہ دریا امین ہے۔

اب تو روای بوڑھا ہو چکا ھے، اس میں شہر کی گندگی شامل ہو چکی ھے۔

اب نہ تو اس پر خانہ بدوش پرندے دور دراز سے بسیرا کرنے آتے ہیں نہ ہی کوئی شہزادی اس میں پاؤں ڈال کر بیٹھتی ھے۔

راوی کے پاس ہی نور جہاں اور اس کی بیٹی کا مقبرہ اداس کھڑا ھے۔

سکھوں کے دور حکومت میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس مقبرے کو بری طرح مجروح کیا تھا۔

یہاں تک کے ان دنوں شہزادیوں کے تابوت زمین سے نکلوا کر مقبرے کے ساتھ ٹانگ دیئے گئے تھے۔۔

شاید نور جہاں کی روح کبھی کبھار شام کے قریب سورج کو ڈوبتے دیکھنے یہاں آتی ہو۔

وقت گزر چکا ھے۔

لاھور انسانوں کے بوجھ تلے دب چکا ھے۔

جی سی یونیورسٹی کا وہ رومانی ٹاور جس کا تذکرہ ہر ایک نے کیا تھا اب رومانیت سے خالی ہوچکا ھے۔ کیا وقت تھا کہ اوول گراونڈ سے ٹاور کا نظارہ انسان کو سحر میں جکڑ لیتا تھا پر اب تو شاید شور کے علاوہ اس شہر میں کچھ نہیں بچا

لاھور کے کبوتر شاید ان نسلوں سے ہیں جہنوں نے لاھور کی عظمت کو اس کی صاف ستھری کھلی ہواؤں میں اڑتے ہوئے دیکھا تھا۔

اب تو مدتوں بعد لاھور کا آسمان کثیف دھوئیں میں سے کبھی کبھی لاھور کو دیکھ لیتا۔

آخر کو اس آسمان نے کیا کچھ نہیں دیکھا ہو گا؟

اب لاھور محبت کا شہر نہیں ھے۔

جہاں سے میں دیکھتا ہوں وہاں سے لاھور انسانوں کا جنگل ھے۔ وہ لاھور جس کے بارے میں کہا گیا تھا کہ دنیا میں محبت کرنے کے لئے لاھور سے بہتر کوئی جگہ نہیں

اب کتابوں کے بوسیدہ اوراق میں گم ہو چکا ہے!



نکتہ

مکمل تو بس

کہانیاں ہوتی ہیں

محبتیں تو ہمیشہ سے ادھوری رہ جاتی ہیں!



ظاہر اور پوشیدہ

دکھ سب کے ایک جیسے ہوتے ہیں بس کہانیاں الگ الگ ہوتی ہیں۔

فرق صرف اتنا ہوتا کہ کچھ لوگوں کے دکھ ان کی آنکھوں میں دکھائی دیتے ہیں اور کچھ ان کو چھپانے کا ہنر سیکھ جاتے ہیں۔

زندگی میں راستے سب کے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں بس منزلیں جدا جدا ہوتی ہیں۔

کبھی کبھی تو ساتھ چلنے والے بھی ایک منزل کے مسافر نہیں ہوتے ہیں۔

راستوں کے اطراف میں لگے ہوئے سنگ میل انہیں ہمیشہ بتاتے رہتے ہیں کہ انہوں نے کتنا سفر طے کر لیا ھے اور کس سنگ میل کے بعد سڑک ایک چوراہے پر ختم ہو جاتی ھے۔

جہاں سے ہر کسی کو اپنے راستے کی طرف مڑنا ہوتا ھے۔

اپنی منزل کی جانب چلنا ہوتا ھے۔

پر کبھی کبھی

منزلوں سے زیادہ انسان کو راستوں سے محبت ہو جاتی ھے!



ابن مریم

کہانیوں میں کردار سانس نہ لیں۔ دو حرفوں میں لکھا "دل" محض ایک لفظ ہو دھڑکے نہ۔

بارش ہو تو اس کی آواز سنائی نہ دے،

کیا فائدہ ایسے لکھنے کا۔

لفظوں میں روح پھونکنا اتنا آسان کہاں۔

کرداروں کو سانس دینا کتنا مشکل کام ہوتا ہے۔
ہر کسی کا قلم ابن مریم بھی کہاں ہوتا ہے!

☆☆☆☆☆☆☆☆

سال نو

سال بدل گیا۔پر زندگی میں کچھ نہیں بدلا۔
کیسے بدلے؟
کلینڈر میں ہندسے کی تبدیلی سے زندگی کہاں بدلتی ھے۔؟
کچھ لوگ، کچھ لمحے، کچھ محبتیں، کچھ جذبے،
زندگی کو دیوار پر لگے کیلنڈر کی طرح اپنی قید میں رکھتے ہیں۔
حساب لگایا جائے تو زندگی کا اور سال وقت کے ڈسٹ بن میں گر گیا۔
عمر کی دیمک انسان کو دھیرے دھیرے سے چاٹ رہی ھے۔
وقت کیسے بدلتا ھے؟
زندگی کیسے بدلتی ہے؟
اپنوں کے ساتھ۔ ، کسی سچے رشتے کے ساتھ، ایسے انسان کے ساتھ جس کو ہماری کیفیات سمجھنے کے لئے ہمارے الفاظ کی ضرورت نہ پڑے۔
کتابی باتوں میں بھی کتنا حسن ہوتا ہے نا؟۔
کچھ بھی کہو۔
کچھ جملے، کچھ الفاظ، کچھ کتابیں ہی انسان کی راز دار ہوتی ہیں۔
ان میں ہی تو ہماری خواہش کا عکس ہمیں دکھائی دیتا ہے۔

لوگ نئے سال کا جشن منا رہے ہیں۔
کہیں آتش بازی ہو رہی ہے تو کہیں منچلے نوجوان پولیس سے آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں۔
میں دیکھتا ہوں کہ زندگی دکھ اور سکھ کا سنگھم ہے۔
کوئی مریض کہیں درد سے کراہ رہا ہے، اور موت کی آہٹ کو سن رہا ہے تو کہیں کوئی اپنی نئی نویلی دلہن کے پہلو میں لیٹا کیف آور لمحات کا مزہ لوٹ رہا ہے نئے موسموں کی نوید سن رہا ہے۔
کتنی عجیب زندگی ہے۔
کوئی اپنی زندگی کے جہنم میں جل رہا ہے تو کسی کی زندگی باغ بہشت ہے۔
مولا کی قدرت بھی نرالی ہے اس کی حکمتوں کو بھلا کون سمجھے ہے۔
مرنے کے بعد اللہ میاں سے ملاقات ہوئی تو ایک خواہش ان حکمتوں کو جاننے کا بھی کروں گا۔
امید تو یہی ہے جنت کے کسی بالا خانے میں ٹہلتے ہوئے اللہ میاں یہ راز منکشف کر دے کہ غریب کے بچے کے لئے دل میں جذبہ کیوں نہیں پیدا ہوتا؟
امیر کے بچے پر ہی محبت کیوں جاگتی ہے؟
ہوتے تو بچے ہی ہیں نادنوں؟
شاید ہر کسی کی آنکھیں ماں جیسی بھی تو نہیں ہوتی نا۔
پتا ہے کبھی کبھی میں ماؤں کی آنکھوں کو بڑے غور سے دیکھتا ہوں۔
عیبیبوں کو ڈھانپ دینے والیں۔ دکھوں کو پڑھ لینے والی آنکھیں۔
اللہ میاں سے مجھے بڑی شکایتیں ہیں۔
مولوی صاحب کہتے شکایت نہ کیا کر۔
لو بھلا۔

بھائی بچے کو دیکھ لگے تو وہ دوڑا دوڑا اماں کے پاس آتا ہے۔

اب اللہ میاں کی بندوں سے محبت کو دیکھ کر بندا کسی اور سے شکایت کرتا اچھا تھوڑی لگے گا۔

کل کو اللہ میاں پوچھ لیں کہ میاں ہم سے کیسی محبتیں تھیں کہ شکایت بھی نہ کی۔

نہ بھئی اور گناہ کافی ہیں۔ یہ والا نہیں کرنا۔

دادی اماں نے ہمیں بچپن میں جس خدا سے ملوایا تھا اس سے تو بندا کچھ بھی دل کی بات کر سکتا تھا۔

دادی تندور پر روٹی لگاتے ہوئے اللہ سے اکثر باتیں کرنے لگتی تھی۔

بچپن میں ہمیں لگا کہ اللہ میاں بھی دادی جیسا ھے۔

نورانی چہرہ، شفیق سی مسکراہٹ۔ خوشی دینے والا۔

جیسے دادی ہمیں دیکھ کر کھل اٹھتیں تھیں ویسے ہی اللہ میاں بھی تھا۔

دادی اماں کا خدا بڑے بڑے ہوتے ہوتے ہم سے گم ہو گیا۔

دادی بھی اللہ میاں کی مہمان بن گئیں۔

اور ہمیں اللہ کے محبت بھرے قصے سنانے والا کوئی نہ رہا۔ پھر اللہ کی باتیں سنانے والے ایسے ملے کہ اللہ میاں کو جلاد بنا کر پیش کرتے۔

بات کہاں سے کہاں نکل گئی۔

سال نو کی بات تھی۔

خدا سب کی زندگیوں میں سکون بھرے۔

اور اس ملک پر رحم کرے۔

نیا سال مبارک ہو سب کو۔



معصوم خواہش

کبھی کبھی دل کرتا ھے خدا کو چائے پر بلاؤں اور اس سے ڈھیر ساری باتیں کروں!



پہچان

عجیب لوگ ہیں جو خدا کو پہچان نہیں سکے اور باتیں علم و حکمت کی کرتے ہیں!!



تربت

۔مجھے اپنے دل کے جزیرے پر دفن کرنا جہاں میں تمہاری یادوں کی آہٹوں کو سنوں اور تمہارے دل کی دھڑکنوں کو گنتے ہوئے کبھی تنہائی محسوس نہ کروں۔مجھے کبھی نہ کبھی یاد کر لینا کہ میں وہ تھا جس نے تمہیں چاہا۔میری وافر محبت کو اچھے لفظوں میں لکھنا اور بس ایک بات یاد رکھنا کہ میں بجھنے سے پہلے آخری بار تم میں جلا تھا۔

مجھے زندگی کی مشقتوں نے تھکا دیا اور اب میں لمبی نیند سونے لگا ہوں۔ایک ایسی نیند جس سے کبھی کوئی نہیں جاگا۔اب میں طویل خوابوں کے سلسلوں میں خواب بن کر جیوں گا۔میرے مزار پر اپنی دعاؤں کے جگنو بھیجتی رہنا کہ گہری تاریکیوں میں مجھے کچھ خوف محسوس نہ ہو۔میں آج تم سے اجازت چاہتا ہوں۔اس امید کی ساتھ ہم محبت کے اس محل میں ہمیشہ ملتے رہیں گے جو آسمانوں میں پھیلے بادلوں کے اس پار ہے۔۔الوادع کہ زندگی قلیل وقت کی تھی اور محبت دائمی ہے!



رات اور دکھ

۔گھڑی کی سوئی تین کراس کر چکی ھے۔اب تو رات بھی اونگھنے لگی ھے اور مرغ صبح خبر پھیلا

رہے ہیں۔

پرندے گھونسلوں میں بیدار ہونے لگے ہیں محلے سے بوڑھوں کی ہلکی کھانسنے آوازیں بتارہی ہیں کہ وہ اللہ کے روبرو کھڑے ہونے کی تیاری میں ہیں۔

جانے میری نیند کہاں رہ گئی ہے۔ تیسرا سال دم آخر ہے کہ کبھی ٹھیک طرح سے سو نہیں پایا ہوں۔

کبھی کبھی تھک کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوتا ہوں اور تاریکی میں نیند ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہوں۔

میری آنکھوں نے برسوں سے کوئی خواب نہیں دیکھا ہے۔

خواب سے محروم ہو جانا بھی کیا ہی تکلیف دہ مفلسی ہے۔ آنکھیں تھک چکی ہیں بہت اور روح کے پاؤں بھی جیسے سفر کی اس تھکن سے لڑکھڑانے لگے ہیں۔

دل سکون کے لمحوں کی تلاش میں ہے اور میں تاریکی کے اس پار گھورتے ہوئے سوچ رہا ہوں کہ یہ سیاہ راتیں کیوں آتی ہیں۔۔۔!!۔



خط

۔میں وہ خط ہوں جس کی عبارتیں تھک گئی ہیں۔

جو لکھا تو مکمل گیا تھا لیکن کبھی پوسٹ نہیں کیا گیا۔ جس کے لفافے پر پتا نہیں ہے، جو بوڑھے پوسٹ ماسٹر کی ٹیبل پر پڑا مہروں کی کھٹ کھٹ سے اکتا گیا ہے۔

جو کسی بے چین انگلیوں کے لمس کو سوچتے ہوئے

اپنے چاک ہونے کا انتظار کرتا ہے!



سچ

مجھ سے سچ لکھنے کا کہا جاتا۔

جانتے ہیں سچ کیا ہے؟

ایک عورت جسے خاوند غصے میں طلاق دے اور پھر بھی اسے اپنے پاس رکھے۔

کچھ نمبرز کے لئے لڑکی پرفیسر کی بستر پر چلی جائے۔

سکولوں اور کالجوں کی صفائی والوں کو کاغذ کے ٹکروں کے بجائے روزانہ جگہ جگہ سے کنڈوم ملیں۔

گرلز ہاسٹل میں ہم جنس پرستی میں مبتلا لڑکیاں۔

مدراس میں معصوم بچوں کا ریپ۔

طلاق دیکر پھر غلطی کا اعتراف کر کے کسی شریف عورت کو حلالہ کے نام پر کسی اور کے بستر پر بھیجنا۔

مذہب کا لبادا اوڑھے بنات کے مدارس میں مولویوں کے روپ میں پائے جانے والے شیطان۔

دو سال کی کم سن بچیوں سے ریپ۔

سگے رشتوں سے عورت کا محفوظ نہ رہنا۔

تم مجھے سچ لکھنے کا کہہ رہے ہو۔۔۔دماغ خراب ہو گیا ھے تم لوگوں کا۔

جاؤ تم حقیقت سے دور رومانی ناول کہانیاں پڑھو۔۔سچ سننے پڑھنے کا تم لوگوں میں کہاں حوصلہ۔۔سچ کی بات کرتے ہو۔۔۔ہو نہہ۔۔۔سچ۔۔



خاموشی

۔خاموشی پر شاعروں نے کلام لکھے افسانہ نگاروں نے افسانے لکھے پر کتنی حیرت کی بات ھے کہ کبھی کسی نے خاموشی پر عمل نہیں کیا۔۔۔!!



انتخاب

والد مرحوم کہا کرتے تھے کہ عطر فروش کے پاس بیٹھو گے تو تم سے خوشبو آئے گی اور اگر کسی لوہار کے پاس بیٹھو گے تو ممکن ھے آگ کی کوئی چنگاری تمہارے کپڑوں کو بدنما کر دے۔
یعنی ۔۔دوست بناتے وقت خیال رکھو کہ تمہارا انتخاب تمہارے لئے تمہاری شخصیت کے لئے مثبت ہے یا منفی۔لوگ تمہارے دوست کو تمہارے ساتھ دیکھ کر تمہارے ذوق کو سراہتے ہیں یا تمہارے کردار کے متعلق مشکوک ہو جاتے ہیں!



حسرت

کبھی کبھی دل کرتا ھے خود کو رات کھانے پر بلاؤں اور اپنے ساتھ جی بھر کر باتیں کروں۔۔۔!!



خالص

نفرت بھی تعلق کی ایک خالص قسم ہے!



فیصلے

کچھ راستوں کی اذیت سے ہم اچھی طرح سے واقف ہوتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کس موڑ کے بعد اذیت شروع ہو گی، پر پھر بھی ہم اس پر چلتے ہیں۔
شاید ہماری زندگی کے زیادہ تر دکھ ہماری اپنی کمائی ہوتے ہیں۔۔۔ ہم خود اپنے فیصلوں سے ایک جہنم بڑھکاتے ہیں جس میں بحر حال ہمیں خود ہی جلنا ہوتا ہے!



کیفیت

روح درخت سے خزاں رسیدہ پتوں کی طرح جھڑ رہی ہے۔
دل بنجاروں کے اداس گیتوں کی طرح اداس ہے۔۔۔!!



پسند

مجھے کالا رنگ پسند ہے اور بوڑھے پیڑ، پرانی حویلیاں، سردیوں کی راتیں، ساون کی بارش، دسمبر کا مہینہ، ادھورے خواب، ادھوری کہانیاں، چائے کا کپ، خاموشی، زرد پتے، برف باری، اپریل کی دوپہریں، کاغذ کی کشتی، سمندر پر تیرتے پرانے جہاز، بوسیدہ ڈائریاں، پرانے کپڑے، چھوٹے بچے، شاعری، کتابیں، پرانے ریلوے سٹیشن، ریل کی تنہا اداس کوکھ، سیٹی کی جدائی بھری آواز، قصہ گو، رباب کی دھن، پہلی بارش، بھیگی مٹی کی خوشبو، بوڑھے لوگ، لوک داستانوں کے کردار، بادل، گرتے پانی کی آواز۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔تم!



شہر

۔شہر کی زندگی عجیب ہے فطرت سے کٹے ہوئے لوگ بلند و بالا عمارتیں، ٹریف کا ہجوم، اپنے آپ میں مگن لوگ۔

شہر میں بے رحم ہوتے ہیں۔

اور گاؤں بوڑھے لوگوں کی طرح شفیق۔

زندگی بہت تیز چلتی ہے وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا ہے۔

میری خواہش ہے کہ میں کسی جھیل کے کنارے مروں۔ برفیلی پہاڑیوں کو دیکھتے ہوئے، اپنا سر اپنی محبوبہ کہ زانوں پر رکھے ہوئے جو تھپک تھپک کر مجھے سلا دے۔۔۔ کتنی رومانی موت ہے یہ۔۔۔

آخر موت کے ساتھ وابستہ دہشت اور خوف انسان کیسے کم کر سکتا ہے؟

آخر کو مرنا ہے اس سے فرار ممکن نہیں۔

پھر کیوں نا انسان اپنی پسند کی موت مرے۔۔

نہ بھی مرے تو کم از کم اس کی خواہش تو رکھے کہ کیسے اس نے اس پر شور دنیا سے نجات حاصل کرنی ہے۔

موت کا مزہ بھی تب ہی ہے جب انسان زندگی کی ہر سانس کو اپنے اندر اتار کر کسی پرانے بچھڑے ہوئے دوست کی طرح موت کو گلے سے لگا لے!

☆☆☆☆☆☆☆

ضرورت کے سلام

۔سچ یہ ہے کہ آپ کو لوگ ضرورت کے وقت ہی یاد کرتے ہیں۔

جب وہ اکیلے ہوتے ہیں افسردہ ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی ان کی باتوں کو سنے!

☆☆☆☆☆☆☆☆

جذبے

عورت کو خود اپنے جذبوں کا شعور نہیں ہوتا ہے، اسے رحم، شفقت، لگاؤ، اور محبت کے بیچ کا فرق نہیں پتا ہوتا ہے، اس لئے عورت زندگی میں بارہا جس جذبے کو محبت سمجھتی ہے وہ محبت نہیں ہوتا!



ابنارمل

اب نارمل ہونا کوئی عیب نہیں کم از کم میری نظر میں تو نہیں،

حساس لوگ اکثر ابنارمل ہوتے ہیں، کیوں کے وہ دنیا کو وہاں سے دیکھنا چاہتے ہیں جہاں سے نارمل لوگ نہیں دیکھ سکتے ہیں، اور جہاں سے وہ دنیا کو دیکھتے ہیں وہ دنیا نارمل لوگوں کی دنیا سے الگ ہوتی ہے۔ان کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے، ابنارمل لوگ کم دیکھتے ہیں پر غضب کا دیکھتے ہیں، چپ رہتے ہیں پر بے تحاشہ بولتے ہیں،

ان کی دنیا الگ ہوتی ہے جہاں وہ حکمرانی کرتے ہیں۔

اس زندگی کی اکثر مسٹریز ایسی ہیں جن کو سمجھنے کے لئے ابنارمل بننا پڑتا ہے،

کچھ راز دانائی سے نہیں پاگل پن سے فاش کئے جاتے ہیں،

جیسے کہ اپنا آپ خود اپنے آپ پر فاش کر دینا۔

مظاہر فطرت کو اپنی روح سے چھونا ابنارمل لوگوں کی خواہش ہوتی ہے۔

پر یہ لوگ ہجوم میں تنہا رہتے ہیں ان کو کوئی سمجھ نہیں سکتا ہے کیوں کے نارمل لوگ ابنارمل کو سمجھ نہیں سکتے ہیں۔

ان کو اکثر ناسمجھ قسم کے لوگ بڑے اچھے سے سمجھ جاتے ہیں!



حرارت

۔روح مر جائے تو انسان کے رشتوں اور جذبوں میں حرارت نہیں رہتی!



ایک سچ

محبت جھوٹی بھی ہو تو انسان اس پر ایمان لے آتا ہے اور خلوص سچا بھی ہو تو ہم سورج سی روشن دلیلیں مانگتے ہیں، اس لئے ہمیں زندگی میں جھوٹے لوگ زیادہ اور پر خلوص لوگ کم ملتے ہیں!



سچی خوشی

سچی خوشی یہ ھے کہ تم ماضی میں چلے جاؤ اور ریڈیو سے کان لگائے ہوئے لوگوں کو بیٹھا دیکھو۔جو ریڈیو ہندستان سن رہے ہوں

اور پھر ریڈائی شور کے ساتھ ایک آواز آئے

یہ ریڈیو پاکستان ہے، آپ کو نیا پاکستان مبارک ہو۔

تب تم حقیقی معنوں میں جانو کہ نیا پاکستان اور اس کی نئی خوشی کیا ہے



پاکستان

تم پاکستان کا مطلب نہیں سمجھ سکتے ۔کیوں کے تم سرحد سے کچھ دور بجھتی ہوئی آنکھیں نہیں دیکھیں ہیں جو لکیر کے اس پار ایک آزاد ریاست کا خواب دیکھتے ہوئے مریں،

تم نے بلوائیوں میں گھری اپنی ان ماؤں بہنوں کی چیخیں نہیں سنی جس نے عرش کو ہلا ڈالا، اگر تم سنتے تو تمھاری سماعتیں آج تک بنجر رہتی تمہیں کسی نغمے میں سرور نہیں ملتا۔

تم نے ان بچوں کو نیزوں پر ٹنگے نہیں دیکھا جن کو معلوم نہیں تھا کہ کس لئے شہید کر دیئے گئے، اگر تم دیکھتے تو تمہاری آنکھیں آج تک کسی منظر کی دلفریبی کو محسوس نہ کرتی، تمہارے سامنے ظلم ہوتا اور اور تم خاموش رہتے۔

تم نے ہجرت کا زخم نہیں کھایا، نہ ہی تم نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے خونی بھائیوں اور بہنوں کو مرتے دیکھا،

تم پاکستان کا مطلب نہیں جانتے۔

کیوں کہ تم آزاد پیدا ہوئے،

1947 میں کٹنے والا ہر مسلمان، ہر لٹنے والی عصمت، ہر بچے کا خون تمہیں ایک روشن پاکستان کی نوید دیکر گئے، اس لئے کہ جو کچھ ان پر بیتا وہ تم نہ دیکھو۔

پر تم بضد ہو کہ یہ ساری باتیں قصے کہانیاں ہیں اور مجھے ڈر ہے کہ تم پاکستان کا مطلب اس وقت سمجھو گے جب تمہاری شہ رگ سے ابلتا ہوا خون تمہارے چہرے کو بگو رہا ہو گا

وقت کا حافظہ بڑا تیز ہوتا ہے یہ کچھ نہیں بھولتا نہ بھولنے دیتا ہے۔!



پتا نہیں کیوں

میں سمجھ نہیں پاتا کہ کیسے ماں باپ اپنی بیٹیوں کو ایک ایسے جہنم میں پھینک دیتے ہیں جس میں وہ ہر سانس میں جلتی ہیں۔۔۔کچھ والدین پالنے کا قرض بڑی بے رحمی سے وصول کرتے ہیں۔۔خدا رحم کرے ان لڑکیوں پر جنہیں بیٹی ہونے کے جرم کی اتنی بڑی سزا دی جاتی ہے۔۔۔ایسی کہانی جب کوئی مجھے سناتا ہے تو کبھی کبھی ماں باپ کی محبت سے ایمان ہی اٹھ جاتا ہے میرا۔۔اور ایسے مرد جو عورت کی تذلیل کرتے ہیں۔۔انہیں ذہنی و جسمانی تشدد کا نشانہ بناتے ہیں وہ ہیجڑوں سے بدتر ہیں۔۔کاش میں اس سماج میں

پیدا نہ ہوتا کہ میں اسے بدل نہیں سکتا۔میں سوائے ذہنی اذیت کے اور کچھ نہیں پاتا۔۔

اللہ رحم کرے

۔۔اللہ آسانیاں پیدا کرے۔

ہم بن مانسوں کے سماج میں زندہ ہیں۔۔۔سچ تو یہ ھے کہ ہم شاید انسان کہلانے کا حق بھی نہیں رکھتے ہیں۔

مجھے ڈر ہے کہ کل ہمارے گریبان ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوں جن پر ہمارے سامنے ظلم کیا گیا اور ہم خاموش تماشائی بنے رہے۔۔۔مجھے ڈر ہے کہ یہ ظلم زمین کو ہلا ڈالے گا اور زمین اپنا اندر باہر الٹ کر ہمیں نگل لے گی خدا کفر کو تو برداشت کرتا پر ظلم کو کبھی لمبی مہلت نہیں دیتا ہے۔



دھن

لوگ محبت کو سمجھنے کے لئے دماغ کا استعمال کرتے ہیں حلانکہ محبت کو سمجھنے کے لئے انہیں دل کا استعمال کرنا چاہیے۔۔۔محبت کوئی پہیلی، کوئی راز، کوئی مسٹری نہیں ہے۔۔۔محبت تو ایک دھن ہے جو کچھ خاص دلوں پر بجتی ہے!



جلد باز

ہم اپنی زندگی کی مہار ہمیشہ غلط لوگوں کے ہاتھ میں دیکر روتے ہیں کہ ہمیں وہ دکھ بھری جگہ لیکر آئیں ہیں حلانکہ کے قصور ان کا نہیں ہمارا ہوتا ھے کہ ہم انہیں اجازت دیتے ہیں کہ وہ ہماری خوشی یا غم کی وجہ بنیں اور سچ یہ ھے کہ بہت کم لوگ ہی مسکراہٹ کی وجہ بنتے باقی تو ہمیں یہ سکھانے ہماری زندگی میں آتے ہیں کہ ہم جلد باز اور از حد احمق انسان ہیں۔۔!!



خیال سکون

۔دریا کنہار ویسے ہی بہہ رہا ہے اچھلتا کودتا شور مچاتا ہوا اسے کسی دن کے خاص ہونے سے سروکار نہیں ہے۔

میں اس کے سرد پانی میں پاؤں رکھے دور آسمان سے سرگوشیاں کرتی پہاڑی کی چوٹی کو دیکھ کر سوچ رہا ہوں کہ کاش وہاں میرا ایک کچا سا گھر ہوتا جو بارشوں میں مجھے مصروف رکھتا کہ اس کی چھت سے پانی ٹپکے جا رہا ہوتا۔

میرے پاس بیلوں کا جوڑا ہوتا اور کچھ مرغیاں ہوتیں۔۔کچھ بکریاں بھی جنہیں میں ہانکتا اور وہ سبزے سے بھرے میدانوں میں گھاس چرتیں۔

ایک ابھری ہوئی چٹان پر بیٹھ کر میں دنیا سے بے خبر ہو کر بانسری کی تان کھینچتا جاتا اور اس کی آواز پہاڑیوں سے ٹکرا کر میرے وجود میں جذب ہوتی۔

میں جون کی لو دیتی دوپہروں میں کھیتوں میں ہل چلاتا اور جب سورج قہر برسانے لگتا تو مجھے دور سے وہ لڑکی اپنی طرف آتی نظر جسے خدا ایک مقدس عہد کی صورت میں مجھے سونپ چکا ہوتا۔

ایک درخت کی گھنی چھاؤں تلے بیٹھ کر وہ مجھے آواز دیتی۔

میں بیلوں کو روک کر ایک نظر اسے دیکھتا اور دل میں سوچتا۔

وہ مجھے درخت کی چھاؤں سے زیادہ راحت دیتی ہے کتنی دل جو و دلکش ہے وہ۔

ہم ساتھ ملکر لسی مکئی کی روٹی اور ساگ کھاتے۔

وہ میری طرف چٹنی بڑھاتی اور مسکا کے کہتی۔

یہ میں نے بڑی توجہ سے آپ کے لئے بنائی ہے

کتنا اچھا ہوتا کہ میری زندگی اور میرا دماغ ان پہاڑوں تک محدود رہتا۔

عمر گزار کر ہم آگے پیچھے وہیں کسی خوشنما جگہ پر ایک دوسرے کے پہلو میں دفن ہو جاتے اور مدت بعد جب وہاں سے کوئی گزرتا تو ان قبروں کو دیکھ کر سوچ بھی نہ پاتا کہ یہاں دو محبت کرنے والے دفن ہیں۔ جن کی زندگی پر خواہشات کا کا بوجھ نہیں تھا۔

جو ایک دوسرے کے ساتھ جیئے اور ایک دوسرے کے ساتھ مر گئے۔

پر میں بھی دیوانہ ہوں۔۔۔ بھلا ایسے بھی کہاں ہوتا ہے۔۔ ایسا بھی کہاں ہو سکتا ہے!



شعور

۔انسان اپنی ذات کا شعور نہیں رکھتا تب تک جب تک کوئی اسے محبت سے روشناس کرا کے خود اپنے آپ سے نہ ملوائے!!



خود کلامی

میں کیوں جا رہا ہوں یہ میں خود نہیں جانتا ہوں میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوں۔۔ سہم گیا ہوں ڈر گیا ہوں۔

کس سے نہیں جانتا ہوں؟

میں نے کم عمری میں بہت بڑی چھلانگ ماری ھے اور میں خلاء کی کسی کھائی میں معلق ہو گیا ہوں ۔۔ مسلسل ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے میں گرے جا رہا ہوں۔۔

جانے سے پہلے میں نے عشق آخرم لکھا تاکہ مجھ پر جو تہمت sadness اور darkness کی لگی ھے اسے دھو دوں پر میں ناکام رہا۔

فیڈ بیک سے مجھے اندازہ ہوا ایک بار پھر میں لوگوں کو رولا رہا ہوں۔۔

میری ذہنی کیفیت ایک بھنور میں پھنسی خالی کشتی کی طرح ہے۔

ہمارے ایک سائکاٹرسٹ دوست نے مجھے وارن کیا ہے کہ میں chronic suicide کا شکار ہوں۔

یعنی میں اقساط میں مر رہا ہوں۔اس کے بقول میں اسے ہر ملاقات پر ڈر رہتا ھے کہ وہ مجھے دوبارہ زندہ دیکھ بھی سکے گا یا نہیں؟

اس لئے میں دور جانا چاہتا ہوں۔۔یہاں تک میں ہر چیز فراموش کر دوں اور جب لوٹوں تو ایک بدلا ہوا انسان ہوں۔

میں ایک نہ سمجھنے والی ذہنی ازیت کا شکار ہوں۔

حساس پن کے تانے بانے میری روح تک پھیل چکے ہیں۔میں دوسروں پر ہونے والے ظلم اور دوسروں کے چوٹوں پر بلبلانے کے عارضے کا شکار ہوں۔

میں بکھرا ہوا ہوں۔۔۔محض پچیس سال کی عمر میں میرا دماغ سو سال کے بوڑھے انسان جیسا بن رہا ھے۔

میں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ کتابوں کو دیا اور اب جون ایلیا کی طرح گبھرایا ہوا کہہ رہا ہوں کتابوں کی رمز نے میرا ذہن مار ڈالا ھے۔

میں نفرت اور منافقت کا لبادہ اوڑھے اس معاشرے کی چالاکیاں عیاریاں نہیں سمجھ پاتا۔

میں خوف سے ڈرے ذہنوں کا درد جھیل نہیں پاتا۔

میں محبت کے ماروں کی خاموش سسکیوں سے ڈرا ہوا ہوں۔

میں ظلم سے ڈرا ہوا ہوں جو اس بن مانسوں کے سماج میں عام ہو چکا ھے۔

میرے اندر کا بچہ سہم کر مر رہا ہے اس کا دم گھٹ رہا ہے۔

میں ڈرا ہوا ہوں اس خیال سے کہ میں کب تک سانس لینے کی اذیت سہہ پاؤں گا۔

میں نے سمندر کے کنارے خدا کو دیکھا ہے اور میں نے برفیلے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے اسے بانہیں پھیلائے دیکھا ہے۔

پر خدا کا تکلیف دہ روپ میں نے مذہب کے بچاریوں کے ہاں دیکھا ہے۔

جن کی جیبوں سے اپنے مذہب جھانک رہے تھے۔اور خدا حیرانی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

آخر ایک ماں سے زیادہ محبت کرنے والا خدا اپنی خلق کو دھتکار بھی نہیں سکتا ہے۔

میں نے ہزار بار اسے مخاطب کرنے کی کوشش کی ہے لیکن مذہبی منڈتوں کے شور نے اسے یوں کھایا کہ میری آواز اس تک پہنچ ہی نہیں پائی۔

مجھے لگتا ہے ان کا شور مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے زیادہ خدا کے ہاں کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔

جلد یا بدیر خدا پھر طور پر جلوہ افروز ہو گا اور یا ایوا ھلناس کہہ کر پکارے گا۔

تب ہم جیسے لوگ اس کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے مصر کی طرف بھاگیں گے۔

اور تب میں آپ کو وہاں ملوں گا۔

شاید یہی آخری ملاقات ہو گی جو انسان انسانوں سے کریں گے۔۔!!



شکست خوردہ

گزشتہ شب جب چاند آسمان کی سیاحت پر نکلا اور تاروں نے اپنی محفل سجائی تو ایک شخص نفرت اور تنہائی سے مر گیا۔

ایک جاننے والے نے اس کے بارے دوسرے کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بتایا کہ یہ احمق

انسان محبت کی بات کرتا تھا۔۔

اس نے محبت کے مارے لوگوں کے دلوں سے اپنا دل کاٹ کر جوڑا۔

اس نے ہمیشہ اپنے دل میں ہزاروں محبتوں کو پالا۔یہ سخت برا انسان تھا۔

تب دوسرے نے تاسف سے کہا۔

اچھا ہوا مر گیا ایسے لوگ یہاں پنپ نہیں سکتے ہیں۔

اس کا جنازہ کسی نامعلوم مقام پر دفن کر دیا گیا اب لوگ اسے نہیں جانتے ہیں۔۔نہ اس کی بات کی جاتی ھے۔

ہاں۔! کبھی کبھار کسی کے آنکھ جب بیوہ ہوتی ہے تو دل اسے یاد کرتا ہے!



ڈولی

دیکھنے والوں نے آنکھوں سے بارہا لڑکیوں کی ڈولیاں اٹھتے دیکھی ہیں۔۔رنگ حنائی سے مہکتی ہوئی کلیاں دیکھی ہیں۔۔پر نہیں دیکھا تو بس یہ نہیں دیکھا کہ ان میں سے زیادہ دیکھنے میں ڈولیاں ہوتی ہیں اگر محسوس کرو تو وہ جنازے ہوتے ہیں۔۔جو لڑکیاں ماں باپ کے پالنے پوسنے کے قرض کی صورت میں ادا کرتی ہیں۔موت ایک بار کی زیادہ خوفناک نہیں ہوتی۔۔پر وہ عمر بھر پل پل مرتی ہیں۔۔خوش نصیب ہوتی ہے وہ عورت جسے من چاہا شوہر ملے۔۔۔خوش بخت ہوتی ھے وہ عورت جس کے ماضی پر محبت کا سایہ نہیں ہوتا ہے!



بینائی کا راز

۔کیا تم نے کبھی کوئی قہقہہ یا کوئی ہنسی روتے ہوئے سنی ہے؟

کیا تم نے کبھی کسی مسکراہٹ کی آنکھوں میں آنسو دیکھیں ہیں؟
اگر نہیں تو یقین جانو کہ تم بینائی رکھتے ہوئے بھی اندھے ہو۔اور سماعت ہوتے ہوئے بھی بہرے ہو!



عشق

لمحوں کو صدیاں اور صدیوں کو لمحے میں جینے کا فن سیکھنا چاہو تو خود کو اس آگ کا ایندھن بنا دو جسے لوگ عشق کہتے ہیں!



پر

کچھ خواہشیں بڑی کامن ہوتی ہیں جو ہر انسان کبھی نہ کبھی کرتا ہے۔۔ جیسے کاش ہمارے پاس ایک جن ہوتا یا کاش ہمارے پر ہوتے اور ہم اوپر آسمان میں اڑتے۔۔!!!



خوش بخت

۔دو طرح کے لوگ بڑے قیمتی ہوتے ہیں اور بڑے خوش نصیب بھی۔ایک جن سے کوئی محبت کرتا ہے دوسرے جو کسی سے محبت کرتے ہیں!



ویلنٹائن ڈے

جانی!!

مجھے سمجھ نہیں آئی کہ دن منانے کی روایات کس نے ڈالی تاریخ کے صحیفے اس پر خاموش ہیں ہو

سکتا ہے اماں حوا اور بابا آدم نے جنت سے نکالے جانے پر یا واپس توبہ قبول ہونے پر کوئی دن منایا ہو یا پھر بعد میں کسی نے کے دماغ نے یہ ایجاد کی ہو۔

پر سمجھنے کی بات یہ ہے جانی بھلا محبت کا بھی کوئی دن ہو سکتا ہے؟

مادر ڈے، ٹیچر ڈے۔ لیبر ڈے، اور جانے کیا کچھ منایا جاتا ہے پر جانی محبت کا دن ہم سب بڑے جوش خروش سے مناتے ہیں۔

بستروں کی شکنوں سے حیا لہو تھوکتی ہے، عفتیں روندی جاتی ہیں ہوٹلوں کے کمرے سماج کے ناسوروں سے اٹ جاتے ہیں۔

سنو

محبت کی عصمت لوٹنے والے اس دن سے بڑی عقیدت رکھتے ہیں سال بھر وہ موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں پھر یہ دن آتا ہے جانی پھر یوں ہوتا ہے کہ کاندھوں پر بیٹھے فرشتے ایک دوسرے کو دیکھنے سے کترانے لگتے ہیں۔

کچھ بعید نہیں کہ وہ سوچتے ہوں۔

یہ مائیں بیٹیاں کیوں جنتی ہیں؟

اب تم کہو گے میاں جاؤ کوئی کام کرو جو ہو رہا ہونے دو

پر جانی سنو تو

ننگا ہونا محبت نہیں، ننگا کرنا بھی محبت نہیں ہے محبت تو عزت مان اور مرتبے کا لباس ہے جانی جو پہنتا ہے معتبر ہو جاتا ہے

یہ تن کا کھیل نہیں جانی یہ تو من کا سودا ہے پر کون سنتا ہے؟ کوئی کان ادھر دھرنے پر راضی نہیں ہے۔

کیا وقت تھا جانی جب عورت بڑی انمول ہوا کرتی تھی پر آج اس نے خود کو بے مول کر لیا اتنی ارزاں ہو گئی کہ محبت کے نام پر بک گئی۔

آہ۔

نکاح کے تین بول مر گئے جانی ان تین بولوں کا خون کس کے سر ہے؟

ہاں تم کہو گے کہ یہاں تو سارا کا سارا اسلام مرا ہوا۔

ٹھیک ہی کہتے ہو جانی۔

چلو چھوڑو

کوئی گرل فرینڈ دیکھتے ہیں کچھ پل عیش و نشاط کے گزارتے ہیں۔

اور ہاں ایک بات اور

شادی تو مرد پاکیزہ عورتوں سے ہی کرتے ہیں مرد جو ہوئے

چلو جانی محبت مناتے ہیں

کوئی لڑکی پٹاتے ہیں

چلو جانی

محبت مناتے ہیں!



تاریخ کے قبرستان میں

جانی!

آج گھومتا ہوا ماضی کے ایک سنہری شہر کے مینارے پر جا بیٹھا۔

جہاں سے فلسفہ علم و ادب پھوٹا اور اس کی روشنیاں بڑی دور تک پھیلیتی چلی گئیں۔

یہ 'ایتھنز' تھا علم کا گہوارہ جہاں ارسطو سقراط جیسے لوگ پیدا ہوئے برف پوش پہاڑیوں سرسبز میدانوں سے سجا ہوا یہ شہر تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہے جو ہر عہد میں فلسفے اور سائنس کا نمائندہ۔

ڈرامہ، شاعري، ناول، فلسفہ، طب، غرض ہر چیز اس شہر کے دماغوں نے پیدا کی اس شہر کے دماغ ہر وقت حاملہ رہتے تھے جانی اور کچھ نا کچھ جنتے رہتے تھے یونان کو علم کا باپ کہنا بجا ہے۔

یہاں مجھے انگلستان کے مشہور شاعر۔پی۔بی۔ شیلے کا نام یاد آرہا ہے، ٹھیک سمجھے جانی وہی جو سمندر میں ڈوب کر مر گیا تھا پر مرا کہاں تھا آج بھی کمبخت کہیں نا کہیں زندہ ہے لکھنے والوں کی ایک یہی بات تو اچھی ہے جانی کہ وہ مر کر مٹی نہیں ہوتے کہیں نا کہیں رہ ہی جاتے ہیں۔

اب اکتاؤ مت ادھر منہ کرو اور سنو۔

یونان کے بارے میں وہی ڈوب کر مرنے والے انگریز شاعر کہتا ہے کہ

This was the land Where Nature wit, Wisdom and Intelegence

دیکھا 'شیلے' نے کیا کہا۔۔؟؟

ویسے مجھے تو انگلش زہر لگتی ہے جانی۔ اپنا تو یہ حال تھا کہ انگلش کر پرچہ بھی اردو میں حل کرتے تھے پر کبھی کبھی اس موئی انگلش کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

تو میں کہہ رہا تھا کہ علم و ادب ان کی میراث سمجھا جاتا ہے اور حسن کی تو بات کیا کروں جانی وہاں کی ہر عورت بے مثال حسن رکھتی ہے ابھی مجھے سکندر کی محبوبہ مکتب کو جاتی ہوئی دیکھائی دی ہے یقین کرو دل اچھل کر مینارے اڑتا ہوا اس کے قدم بوسی کرنے گیا ہے۔

ہاں وہی سکندر اپنا لنگوٹیا یار جس نے آدھی دنیا کو فتح کر لیا اور ایک عورت نے اسے فتح کر لیا،

تمہیں ان کی پہلی ملاقات تو یاد ہی ہو گی جانی۔۔؟؟

نہیں یاد۔۔۔؟؟

اچھا سنو میں بتاتا ہوں

سکندر ارسطو سے سبق لینے کے بعد واپس جا رہا تھا راستے میں ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا تب وہ پکے ہوئے پھل کی طرح اوپر سے اس کی جھولی میں آ گری تھی۔

ہائے جانی

کیا منظر ہو گا کبھی کبھی تو مجھے افسوس ہوتا کہ کاش اس دن میں وہاں ہوتا پر اس دن میرے ہٹلر جیسے استاد نے مجھے کان پکڑوائے ہوئے تھے اس کے بعد میں کئی بار اس درخت تلے بیٹھا لیکن کچھ بھی نہیں گرا بس کچھ پرندے 'بیٹھ' کر دیتے تھے۔

وہ محبت جو بدقسمتی سے اسے کبھی نہیں ملی اس کے لنگڑا باپ جو ہاتھ کر گیا تھا۔

سوچتا ہوں اچھا ہی ہے اگر وہ مل جاتی تو سکندر بیچارہ خاک دنیا فتح کرتا اسے تو ڈائپرز لانے سے ہی فرصت نا ملتی۔

اب ہنسو نہیں۔ ایتھنز میں بھی ڈائپرز ہوا کرتے تھے مجھے تو یقین ہے یہ بھی ان کی ہی ایجاد ہے

ویسے ایک بات ہے جانی۔۔!!

عورت بھی عجیب چیز ہے لاکھوں سروں کی فصل کاٹنے کے بعد جو چیز حاصل کی جاتی ہے وہ اس کی ایک مسکراہٹ چٹکی بجاتے ہی کر دیتی ہے۔

جانی جب میں واپس یہاں ملک پاکستان واپس پہنچا تو یہاں کا حال دیکھ کر دکھی ہو گیا

مجھے ایتھنز کے بعد، 'اسکندریہ' اور 'بغداد' کی شامیں یاد آئیں جانی اور ساتھ ہی ہلاکو کے گھوڑوں کی ٹاپیں میرے کانوں میں گونجنے لگیں

کیا وقت تھا جانی علم و فلسفہ ناول شاعری بغداد کی درسگاہوں میں سانس لیتی تھی

پر اپنے ہی دغا دے گئے جانی عہد کا عہد لٹ گیا۔ بغداد یوں اجڑا کے آباد نا ہو سکا۔

عمر خیام، جابر بن حیان، ابن الہیثم، روتے رہے۔

آج کے یونان اور ایتھنز کو دیکھو جانی پہلے سے زیادہ علوم رکھتے ہیں تاریخ کے فصیلوں پر چراغوں کی طرح روشن ہیں۔

اور ہم کہاں ہیں جانی۔۔؟؟

ہم نے کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔۔؟؟

بس تاریخ کے قبرستان میں اپنی اپنی قبریں کھود رہے ہیں۔

شاید یہی ہمارا کام ہے اور یہی کچھ ہم نے کرنا ہے تب تک جب تک ہماری قبر پوری تیار ہو کر ہم اس میں دفن نہیں جاتے!



بدن کے کشکول

جانی۔۔!

طوائف کو حقارت سے نا دیکھا کرو۔وہ تو بیچاری اپنے جسم پر بھی اپنا حق نہیں رکھتی تم کہو گے کہ آج کل پر میں دیوانا ہو گیا ہوں کچھ بھی کہیں بھی بک دیتا ہوں۔

پر جانی کہنے کی بات ہے اور سننے کی بھی

طوائف کا وجود بڑا مقدس ہوتا اسے چوم کر آنکھوں سے لگانا چاہیے۔

اب منہ نا بناؤ جانی آنکھیں بھی نا دکھاؤ،

میں سچ کہتا ہوں طوائف بڑی مقدس ہوتی ہے بڑی انمول ہوتی ہے میری اس بات کو یاد رکھنا بہت سارا گند سمیٹنے والی ہوتی ہے

اب مجھے پتا تم کیا سوچ رہے

ایسا نہیں ہے جانی میرا کسی طوائف سے کوئی سمبھد نہیں ہے

پر مجھے گھنگرو کی چھنکار میں اس عورت کی چیخیں سنائی دیتی ہیں جانی

وہ عورت جسے میں نے۔ تم نے ہم سب نے مل کر دفن کیا اور اس کے مردہ بدن سے ایک طوائف کو پیدا کیا۔

اب غصے سے سرخ مت ہو۔

کیا کہا؟

یہ الزام ہے

ھاھاھاھا

جانی قسم سے کبھی کبھی تو تم حد ہی کر دیتے ہو

ہم سب پارسائی کا کھڑاک پھیلاتے ہیں، پر جانی اندھیرے میں اپنے بدن کا کشکول پھیلائے انہی تاریک گلیوں میں چلتے ہیں جن کی کھڑکیوں چوباروں سے عورتیں رستی ہوئی نیچے طوائف کے روپ میں اکھٹی ہوتی ہیں۔

ہمارے بدن کے کشکول میں جسم کے سکے گرتے ہیں تب ہمیں گھن نہیں آتی جانی تب تو طوائف مقدس مورتی کے روپ میں نظر آتی ہے پر یہ کیا جانی؟

چند بدبو دار قطروں کے اخراج کے ساتھ ہی ہم بدل جاتے ہیں ہمیں گھن آتی ہے منہ ٹیڑے کر کے ہم عورت کو "طوائف" کہہ دیتے ہیں ہماری نظریں اپنے گریبانوں میں جھانکتی نہیں۔

سمجھ رہا ہوں جانی میری باتیں گراں گزر رہی ہیں، مجھے کچھ اور کہنا چاہیے۔

ہاں تو اور کیا کہوں یہ بھی بتلا دو۔

بہرے سماج پر چلانا دیوانے کا کام ہے پر جانی نا چلاؤں تو اندر کا شور مجھے بھی بہرا کر دے گا۔

کبھی طوائف کو عورت کرو جانی عورت کو طوائف کرنا تو سیکھا ہی ہے۔

اپنے بدن کے کشکول توڑ دو میرے ہذیانی گفتگو پر ناک نا چڑھاؤ

سنو جانی۔

کبھی تو طوائف کو عورت کر دو!



بارشیں اور آنسو

جانی!

مجھے بارشوں سے نفرت ہے تم کہو گے بھلا کیوں۔۔۔؟

اب یہی دیکھ لو کہ یہ موئی بارشیں شہر میں گند کرتی ہیں اپسرائیں بھیگتی ہیں تو اودھم مچاتی ہیں پر کچھ رنگین بھیگے ہوئے آنچلوں کے کناروں سے لہو ٹپکتا ہے۔

تم کہو گے کہ میں سٹھیا گیا ہوں۔

پر جانی ایسا نہیں ہے۔۔!

بارشیں پکے پکانوں پر ناچتی اچھی لگتی ہیں گرم چائے اور تازہ پکوڑے مزہ دیتے ہیں پر مانو کہ شہر کی جھونپڑیوں کی چھتیں ٹپ ٹپ روتی ہیں سڑک پر دیہاڑی کی تلاش میں بیٹھا مزدور بارشوں کو کوستا ہے۔

یہ مخول کی بات نہیں جانی!

سنتے ہو نا کہ آنسو اور بارشوں میں گٹھ جوڑ بڑا پرانا ہے۔ کہیں پر بارشیں برستی ہیں تو کہیں پر آنسو۔

تم کہو گے بارشوں کے رومان پروری میں مجھے شعبہ ہے پر کان ادھر کرو۔

تم کو بتلاؤں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے پر جانی شکم پروری اوکھی ہو جاتی ہے گاڑیوں میں ہلکے میوزک میں لانگ ڈرائیو سرور تو دیتا ہے۔

پر جانی!

ریڑھی بان کی خشک آنکھوں میں رات کا غم بھی تو روتا ہے۔خالی ہاتھ گھر کے دروازے میں سے اندر جانا تکلیف دیتا ہے جب بچوں کی آنکھیں بجھتی ہیں تو آسمان روتا ہے۔

جانی بارشیں آنسو ہوتی ہیں!



اے تاریکی بھری رات

اے تاریکی بھری رات ،،آ، ساتھ مل کر تاریک ہوتے ہیں۔اے آسمان کی روشن تارو آؤ۔۔ساتھ مل کر روتے ہیں۔۔اے اداس چاند۔۔آج اپنی کرنوں کو سمیٹ لے۔۔کہ غم کے مارے تاریکی میں روتے ہیں۔۔اے نسیم شب کچھ دیر رک جا

۔اور ہمارے ساتھ اشک بہا کہ خواب بہت چھوٹے ہیں۔۔اے تنہائی آلود دھند زرا اور گہرا ہو جا۔۔تجھے خبر نہیں کہ ہجر والے آنسو بکھیرتے ہیں۔۔؟۔۔اے جھینگر کچھ اور شور مچا۔۔تاکے سویا ہوا سناٹا غم سے پھٹنے والے دلوں کی صدا سے پریشان نا ہو۔۔۔اے شاخ پر چیختے الو۔۔تو خاموش ہو جا۔۔تجھے خبر نہیں تیری آواز کی وحشت آنسوؤں کی سسکیاں دبا رہی ہے۔۔۔؟

اے دوستوں کی طرح سر جوڑے کھڑے درختو ایک دوسرے سے دوری اختیار کرو۔۔تم۔نہیں جانتے کہ تمہاری یہ محبت دیکھ کر بچھڑ جانے والوں کی یاد ستاتی ہے۔؟

اے گزرتے ہوئے لمحو کچھ۔پل ٹھہر جاؤ۔۔کیا تم۔نہیں جانتے کہ شب گزرنے کی نہیں؟؟

اے سینے میں قید سوختہ دل۔۔قرار بھول جا۔۔کیا تو نہیں جانتا کہ قرار ممکن۔نہیں رہا اب؟

اے روتی آنکھوں نمی پی لو ساری۔۔کیا۔نہیں جانتی کہ رات ڈھلنے کو ہے؟

اے جسم میں مقید روح۔۔فکر نا کر جلد ہی تو اس اسیری سے رہا ہو جائے گی۔۔۔وقت کا ہاتھ

ابدیت کے دروازے پر۔ لگی۔ کنڈی دھیرے دھیرے کھول رہا ہے!



محبت

محبت ہونے کے لئے کسی کے ساتھ سالوں چلنا یا بہت سارا وقت ساتھ گزارنا ضروری نہیں ہوتا یہ بھی ضروری نہی ہوتا کہ آپ اسے کتنا جانتے ہیں محبت تو لمحوں میں ہوتی ہے اور صدیوں کا سفر طے کروالیتی ہے۔ محبت جون کی تپتی دوپہر کی وہ بارش ہے جو اچانک برس جاتی ہے!



ٹرین

پلیٹ فارم پر بکھرا ہوا اجا بجا انتظاراور سٹیشن ماسٹر کی بوڑھی آنکھوں میں دوڑتے ٹرین کے اوقات اس کی نگاہوں میں گڈ مڈ ہو رہے تھے

دور سے نظر آتا ٹوٹا لیٹر باکس جس کی کوک میں پلتا ہوا خطوط کا انتظار وہ دیکھ سکتا تھا

اور اس سے ٹیک لگائے بیٹھا بوڑھا فقیر جس کی پھیلی جھولی میں سکوں سے زیادہ پڑی مردہ آرزوئیں تھیں اور اس کی بجھی ہوئی آنکھیں جن پر سٹیشن پر لگے زردی پھیلاتے بلب کا گمان ہو رہا تھا جس پر مکھیوں نے گند پھیلا دیا تھا۔

ریل کی پٹریوں پر لمبی مسافتوں کا سایہ پھیلا ہوا تھا

وہ اس منظر میں خود کو ضم کرنے اور اپنے وجود کو خواب کرنے آیا تھا چار سو پھیلتی تنہائی کی اداس مہک میں وہ بیٹھا آخری خط لکھ رہا تھا کانپتے ہاتھ اور درد سے بوجھل دل ایسا لگتا تھا جیسے وہ خط کی جگہ کوئی بہت پرانا ادھڑا ہوا زخم سینے کی کوشش میں تھا

جب خط مکمل ہوا تو وہ ٹوٹے لیٹر باکس کو دیکھنے لگا جس پر اب ایک کوا بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا شاید وہ

جگہ اسے اپنے گھونسلے کے لئے پسند آگئی تھی کسی بھولی بسری مسکراہٹ اس کے خشک لبوں سے رستی ہوئی پلیٹ فارم میں کہیں کھوگئی تو وہ اٹھا شکستہ قدموں سے لیٹر بکس کے پاس آرکا۔ کوا اسے دیکھ کلر اڑ چکا تھا۔

اب وہ لیٹر باکس کے پاس کھڑا اپنے ہاتھ میں پکڑے خط کو یوں دیکھ رہا تھا جیسے کسی کو قبر میں اتارنے سے پہلے دیکھ رہا ہو،

اچانک ٹرین کی سیٹی نے خاموشی کی چادر کو تار تار کر دیا اور وہ چونکا، حسرت زدہ نظروں خط کو دیکھ اور پھر دور سے آتی ٹرین کو۔

اس نے سر جھٹکا اور خط لیٹر بکس کے حوالے کر دیا

اور خود ریل کی پٹریوں کو دیکھنے لگا جو کسی انہونی کے خوف سے تھر تھرائے جا رہی تھیں

ایک زخم خوردہ مسکراہٹ نے اس کے چہرے پر قدم رکھے تھے اور ٹرین ساحل کی طرف بڑھتی کسی طوفانی موج کی طرح بڑی چلی آرہی تھی۔

وہ جانتا تھا اس سٹیشن پر ٹرین آج نہیں رکے گی اور ٹرین رکی بھی نہیں وہ شور مچاتی دھواں اگلتی گزر گئی تھی ٹوٹے ہوئے لیٹر باکس میں پڑھا ہوا خط لکھنے والا کے آخری احساس سے بھیگ چکا تھا اور اس کی عبارتوں میں ہجر کی بڑھتی ہوئی خوشبو لیٹر بکس کی اداس کوک میں پھیل رہی تھی ٹرین کے شور کے بعد سناٹے نے پلیٹ فارم کو اپنی آغوش میں بھینچ لیا تھا اور ٹھیک دس منٹ بعد آسمان سے بارش کی پہلی پھوار برسنے لگی تھی فطرت کی آنکھوں سے آنسو یونہی نہیں نکلے تھے کیوں بارشیں جانتی تھیں کہ وہ آخری خط کسی کو کبھی نہیں ملنا تھا۔۔۔۔ لیٹ باکس نے پٹریوں کو دیکھا اور کچھ احساس کرنے کی کوشش کی۔۔۔ اور وہ احساس ٹرین کے جانے اور کسی کو کھو دینے کا تھا!!



محبت

محبت کا بیج یونہی دل میں نہیں اگتا پہلے انسان کو خود بیج بن کر مٹی میں ملنا ہوتا تب من کے آنگن میں محبت کے بیج سے درخت اگتا ہے اور آپ کی ذات اس کی ٹھنڈی چھاؤں کے حصار میں قید ہو کر آزاد پنچھی کی طرح اڑتی پھرتی ہے محبت کوئی فلسفہ کوئی مذہب کوئی تھیوری نہیں ہے محبت بس محبت ہے اس کی کوئی تعریف نہیں جو قربان ہونا سکھاتی ہے محبت کی مختلف شکلیں ہیں جیسے گلاب کے پھولوں کی اقسام ۔۔ جیسے ماں کی محبت بہن بھائیوں کی محبت خالق اور مخلوق کی محبت ۔۔ محبت عبادت ھے ۔ جیسے عبادات میں کچھ افضل عبادتیں ہوتیں اس طرح محبت میں ایک افضل محبت ہے وہ یکطرفہ محبت ہے کسی کو چاہ کر پانے کی خواہش نہ رکھنا پر یہ محبت ہر کوئی نہیں کر سکتا بہت ٹوٹنا ہوتا اور جو ایک بار اس میں ٹوٹ کر جڑ جائے وہ سنور جاتا ہے پھر کبھی نہیں ٹوٹتا



داستان گو

داستان گو کے پاس کہانیاں نہیں ختم ہوئیں تھیں بس سننے والے کان اس کی کہانیوں میں سے نکلتیں حقیقت نہیں جان پاتے تھے ۔۔ اس دکھ ہوتا تھا جب لوگ اس کی کہانی کو کہانی مان لیتے اس نے کوشش کی تھی لوگ سمجھ سکیں کہ کہانی تب تک کہانی نہیں بنتی تھی جب تک وہ حقیقت نا ہو ۔۔ پر وہ نہیں سمجھا پایا تھا ۔ اس لئے اب وہ اپنا بوریا بستر اٹھائے ۔ بہت دور کہانی سنانے جا رہا تھا جہاں وہ خود ہی کہانی کہے گا اور خود ہی سامنے بیٹھ کر کہانی سنے گا!



مقتل گاہ

میرا یقین کرو یہ ملک نہیں نہیں مقتل گاہ جہاں ہر وہ چیز قتل ہوتی ھے جو ہماری سوچ سے ٹکراتی

ھے۔۔ تم کہتے ہو میں کالم لکھوں ارے سنو تو۔۔۔ کیا لکھوں اس قوم کا نوحہ۔۔ جس کی سماعتیں کب کی بہری ہو چکی ہیں۔۔ اب انہیں اپنی بربادی تک کا شعور نہیں رہا۔۔ ان کے اندر اتنی تاریکی ہو چکی ھے کہ اب روشنی کی کوئی کرن ان کے دلوں کی ظلمت میں پیدا نہیں کی جاسکتی۔

اب اس سے بڑی بد بختی اور کیا ہو گی یہ تاریکی کو ہی روشنی مان چکے ہیں۔۔ اب تاریکی کے انکار کی کوئی گنجائش کہاں ہے۔۔؟؟۔

ان کے دلوں پر مہریں لگا دیں گئی ہیں اور جہاں کہیں کسی درزوں سے روشنی آنے کی امید تھی وہاں تعصب کا زنگ بھر دیا گیا ہے۔ یہ انجام سے بے فکر قوم۔۔۔ قوم نہیں۔ ایک ریوڑ ہیں۔۔ اس قوم کا چراوہا بہت پہلے خون تھوکتے ہوئے مر گیا تھا۔۔ اور اب یہ منتشر ریوڑ کی طرح بھاگے جا رہے ہیں سرپٹ اندھا دھند۔۔ نفرت کے طاقتور بھیڑیا نے ان کو خزاں رسیدہ پتوں کی طرح بکھیر کر رکھ دیا۔۔

ان کے احساس مر چکے ہیں اب کسی کی موت بھی ان کو پگھلا نہیں پاتی۔۔ ان کی آنکھیں تعصب نے اندھی کر دی ہیں اب یہ وہ دیکھتے ہیں جو وہ دیکھنا چاہتے ہیں۔۔ ان کی ضمیر مردہ ہو چکے ہیں اور بے حسی کی چادر اوڑھے سو رہے ہیں۔۔

ہم ایک قوم سے قبیلے مسلک بن گئے ہیں۔۔ اب ہم مرنے والوں کی روحوں کو زخمی کرنے سے زرا بھی نہیں ہچکچاتے ہیں۔۔ مرنے والوں کے گھروں سے اٹھتی آہ و بقا ہم ایک تمسخرانہ قہقے میں اڑا دیتے ہیں۔۔

عقیدت عقائد کھا رہی ھے اور نفرت محبت کو نگل چکی ھے۔ گلیاں خون سے لتھڑی ہوئی ہیں آتش و آہن برسایا جا رہا ھے اور امت خواب خرگوش میں مزے لے رہی ھے۔ اب سب کے مسئلے انفرادی ہیں۔۔ ہمارا مذہب تو اس قدر انفرادی ہو گیا ھے کہ جس کو دیکھو اس کے جیب میں اپنا اسلام ہے۔۔ ہم سماج کا ناسور بن چکے ہیں جس سے غلاظت بہہ کر اطراف کو گندہ کر رہی ھے۔

یہاں جگر گوشوں کو کاٹ دیا جاتا ھے۔۔سہاگنوں کی مسکراہٹوں کو ایک اندھا بمب چاٹ جاتا ھے۔بہنوں کے آبروں کو ان کے رکھوالے لوٹ رھے ہیں۔۔ماؤں کے سہاروں کو خاک میں دفن کیا جارہا ھے۔بوڑھے باپ جوان بیٹوں کی لاشوں کو کاندھا دیتے دیتے جھک چکے ہیں۔۔

ایسا ہو رہا ھے اور ایسا ہو تا رھے گا۔۔آخر کیوں نا ہو گا۔۔ہم رہزنوں کو رہنما مان چکے ہیں۔

تو صاحبو۔۔ہم زمین پر بوجھ ہین اور تاریخ ہمیں نگلنے کے لئے چلی آرہی ھے ۔

اگر تم چاہتے ہو سب اچھا ہو تو سب سے اچھا کرو سب کے لئے دلوں میں گنجائش رکھو ورنہ اس مقتل گاہ کل تم بھی قتل ہو گے کل تمہارا نام بھی مرنے والوں میں پکارہ جائے گا اپنا اپنا وقت ھے آئے ہیں تو جانا بھی ھے ۔۔

جانے سے پہلے اپنے ہونے کا ثبوت دو دلوں کو وسیع کرو ماتھوں کو خندہ کرو۔۔وہ نہ دیکھو جو دیکھنا چاہتے ہو۔۔وہ نہ سنو جو سننا چاہتے ہو۔۔وہ نہ کہو جو کہنا چاہتے ہو۔۔۔وہ نہ کرو جو کرنا چاہتے ہو۔۔ایسے تو اندھے بہرے گونگے لوگ ہوتے ہیں۔۔یہ اس قوم کا شیوہ نہیں رہا ھے جس کی وسعت قلبی اور بہادری کی داستانوں کو تاریخ نے مقدس اوراق کی طرح سنبھال رکھا ھا۔۔۔

مسلم بنو۔۔۔مسلک نہ بنو۔۔قوم بنو۔۔قبیلے نہ بنو۔۔۔جاگو کہ وقت کسی کے لئے نہیں رکتا کچھ کرو کہ وقت تم کو یاد کرے۔۔نفرت کی آندھیوں میں محبت کی شمعیں جلاؤ۔تاکے ان کی روشنی میں ہماری نسلیں راہ دیکھ سکیں۔۔اگر ایسا نہیں کروگے تو آج کے تمہارے قہقہے کل کے آنسو بن سکتے ہیں۔۔موت تمہارے گھر کی دیوار کسی وقت بھی پھاند کر آسکتی ھے۔۔۔اچھائیوں کو یاد کرو۔۔۔ورنہ اس مقتل گاہ کل تمہارے وجود کی چھیتڑے پڑھیں ہوں گے ان سے اٹھتا تعفن لوگوں کی زبانوں پر ہو گا۔۔یہ دنیا مکافات عمل ھے۔۔۔جان رکھو!



ذات

کچھ چیزیں ہمیں بنا مانگے بنا چاہے سونپ دی جاتی ہیں اور کچھ کے پیچھے ہمارے سجدے اور آنسو تک رائگاں چلے جاتے ہیں۔۔سچ کہوں تو ہم سب ہی کہیں نہ کہیں اپنی ذات میں بہت ادھورے ہوتے ہیں!



پھول

تمہارا اور میرا تعلق بہت گہرا اور صدیوں پرانا ھے میں سوچتا ہوں کہ جب میں مر جاؤں گا تو میری قبر پر ایک پھول کھلے گا اور اس پھول کی جڑیں میرے دل کی گہرائیوں تک اتریں ہوں گیں تمہیں بتاؤں کہ اس پھول سے تمہاری محبت بھری مہک ہمیشہ آتی رہے گی مجھ پر تو ابدی خزاں آچکی ہو گی پر یہ پھول صدا مہکتا رھے گا اور میری قبر پر تمہاری محبت کا عکس جھلملاتا رھے گا۔۔میں ہمیشہ سے ہی اس پھول کی آبیاری کرتا رہوں گا یہ پھول ہمیشہ کھلتا رھے گا۔۔وقت چاہے جیسا بھی ہو موسم چاہے جو بھی ہو اس پھول کو کھلے رہنا ہو گا۔۔محبت کا پھول ہمیشہ کھلا رہتا ھے اس سے محبت کی خوشبو ہمیشہ پھوٹتی رہتی ھے بظاہر وہ پھول خشک ہو کر مرجھا چکا ہو تو بھی اس پھول کے اندر محبت سانس لیتی ھے اور مہکتی رہتی ہے!



سچ

اسے کہنا کہ آنکھوں میں پھیلتا کاجل اور کلائیوں پر کراہتی مردہ چوڑیوں کی کھنک کسی کے پاؤں کی زنجیر نہیں بنا کرتیں!



پت جھڑ

پت جھڑ کے موسموں میں جب درخت ہجر اوڑھ لیتے ہیں تو تمہارے بوسے میرے بدن پر نیلگوں

نشان بن کر ابھر آتے ہیں۔اور صحن دل میں یادوں کے پتے گرتے ہیں شور مچاتے ہیں۔اور جب چار سُو مردہ تتلیاں پھیل جاتی ہیں، تنہائی کائنات کے کناروں سے رسنے لگتی ہے اور سردی غارت گری پر اتر آتی ہے تو میں تمہارے لمس کی گرمی کو بہت یاد کرتا ہوں اور دیوانہ وار ان راستوں پر چلتا ہوں جہاں سے کبھی تمہارا گزر ہوا تھا۔پر میرے ہاتھ سوکھے پتوں اور برہنا ہوتے درختوں کے طنزیہ قہقہوں کے سوا کچھ نہیں آتا۔۔ مجھے ہر چیز سے جدائی کی مہک آتے ہے۔۔۔میں نیم دیوانگی میں تمہیں پکارتا ہوں تب تمہارے الوادعی بوسے کی کسک میرے مردہ وجود میں جاگ اٹھتی ہے اور مجھے لگتا ہے کہ ہاں میں زندہ ہوں۔جب میں ننگے درختوں کی شاخوں پر ہجر کے کوے کو چلاتا سنتا ہوں تو مجھے اپنے بہرے پن کا احساس ہونے لگتا اور ٹھیک انہی لمحوں میں تمہاری نقرائی ہنسی میری بہری ہوتی سماعتوں میں سنائی دیتی ہے اور میں چونک کر ہر سمت نگاہیں دوڑاتا ہوں پر میری بصارت کو زرد پتوں اور خشک پھولوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔۔جب۔میری سانسوں میں ٹھنڈک اترتی ہے تب,, میری سانسوں میں تمہاری خوشبو مہک جاتی ہے اور میری آنکھوں میں جما ہوا انتظار پگھل کر آنسوؤں کی صورت میں خشک پتوں پر گرتا ہے اور وہ سرگوشیوں میں میرے حال پر تبصرے کرتے ہیں اور ایک چر,مڑاہٹ نما آواز پیدا ہوتی ہے۔۔جسے میں دل ٹوٹنے کی آواز سمجھ کر نظر انداز کرتا ہوں۔۔۔مجھے پت جھڑ کی وحشت میں صرف ایک بات حیران کرتی کہ جب میں ڈائیری کھولتا تو تمہارے گجرے کے پھول اچانک کھل جاتے اور ان سے تمہاری خوشبو پھوٹنے لگتی اور جب میں اپنی انگلیوں سے انہیں چھوتا ہوں تو میرے پوروں میں تمہارا احساس جاگ اٹھتا ہے اور میرے کمرے میں رکھی ہر چیز تمہارے تصور میں کھو جاتی ہے۔۔اور میں حیران ہوتا ہوں کے ڈائری میں لکھے لفظ کسمساتے ہیں اور پت جھڑ کا فسانہ سناتے ہیں۔۔لگتا ہے تم جاتے جاتے میرے نصیب کے موسم تک لے گئی اور مجھے پت جھڑ تھما گئ جس میں مجھے اپنے ہونے کا احساس ہوتا ہے۔۔اس کے علاوہ میں ہوتا بھی ہوں تو جانے کہاں ہوتا ہوں!



اداس لمحوں میں کہیں

رات نے کائنات کو اپنی تاریک بانہوں میں لیا جیسے کوئی اپنی جان سے پیاری محبوبہ کو جزبات انگیز ساعتوں میں سمیٹ کر اپنے بازؤں کی پناہ گاہ میں قید کر لے۔

میں ان اداس لمحوں سے چھپتا پھرتا ہوں جو ہمیشہ مجھے ڈھونڈ لیتے جو ہمیشہ میری تنہائی میں سانس لیتے ہیں پھلتے پھولتے ہیں اور مجھے اداس کر دیتے ہیں اتنا اداس کے زندگی کسی دم آخر مریض کی آنکھ سے بہتا ہوا آنسو محسوس ہونے لگتی ہے۔میں سمجھ نہیں پاتا کے میں کیوں اداس ہوں کس لئے اداس ہوں۔وہ اداس کر دینے والی چیز کیا ہے جو قلب حزیں کو بے قراری دیتی ہے جو میری روح کو بیمار کر دیتی ہے اور میری مسکراہٹ کو نوحہ گری پر مجبور کر دیتی ہے۔۔پتا نہیں میں اداس لمحوں میں کہاں کھو جاتا ہوں میرا وجود اداسی کی دبیز تہوں میں کہاں سو جاتا ہے۔۔کیا ہے یہ بے نام اداسی۔میں اسے کس نام سے پکاروں۔

تارے اہل زمین پر نظریں جمائے بیٹھے ہوئے ہیں اور چاند پہاڑیوں پر چپ چاپ کھڑا کسی گہری سوچ میں ہے۔۔شاید وہ بھی اداس ہے یا پھر میری اداسی پر غور کر رہا ہے۔۔

کہو اداسی کیا ہے سمجھو اداسی کیا ہے۔۔پر کون سمجھتا ہے۔۔یہاں کوئی ہے جو مجھ پر میری اداسی کا راز فاش کر دے؟پر وہ کوئی کون ہے۔؟۔۔ہے بھی کے نہیں ہے؟۔۔اگر ہے تو کہاں ہے۔؟۔اگر نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے؟۔۔

لیکن یہاں سب کہی سنتے ہیں۔ان کہی کون سنے گا۔۔آخر وہ کون ہے جو اداس لمحوں میں کوئی لمحہ بن کر میرا ہاتھ تھام لے گا۔۔کہیں وہ لمحہ میرے لمحوں سے بچھڑ تو نہیں گیا۔۔؟



روح کی باتیں

کائنات سیاہ لباس میں ملبوس ہے اور چاند سے خالی آسمان میں تارے چاند کی رفاقت کے لئے ٹمٹماتے ہوئے مچل رہے ہیں۔ جنوب کی پہاڑیوں سے آتی برف زاروں کی ہوا گاؤں کی تاریک گلیوں میں سرگوشیاں کرتی پھر رہی ہے۔ اور لوگ لحافوں میں دبکے نیند کی دیوی کو یاد کر رہے ہیں۔ پہاڑیوں پر روشن گھر کسی دیو ہیکل معبد کے کی دیواروں پر جلتے دیئیے دکھائی دے رہے ہیں اور گیدڑ کی چیخ نما آواز خاموشی کی چادر کو کچھ لمحوں کے لئے تار تار کر دیتی ہے۔ راستوں میں لگے درختوں کی شاخوں پر پتے سردی سے کانپے جا رہے ہیں اور ان کی کپکپاہٹ سرسراہٹ میں تبدیل ہو کر درختوں کی خود کلامی بنتی جا رہی ھے۔ گاؤں کے قلب میں سے گزرتی ندی بہت خاموشی سے بہہ رہی۔۔۔ ہر طرف ایک پراسرار سی غیر مرائی کیفیت طاری ہے۔ اور میں ان سب کے بیچ بیٹھا صفحہ دل پر یادوں کی داستان لکھنے میں مصروف ہوں۔ میری روح مجھ سے کہہ رہی ہے کے میرے ارد گرد بے چہرہ لوگ ہیں۔ وہ بتا رہی ہے کے لوگ زندگی میں دو طرح سے جیتے ہیں ایک وہ جو باہر سے ہوتے ہیں دوسری وہ جو وہ اندر سے ہوتے ہیں۔ ایک زندگی جو وہ ظاہر میں جیتے ہیں ایک زندگی وہ جو اندر سے جیتے ہیں۔ ان دونوں زندگیوں کا آپس میں کوئی تعلق واسطہ نہیں ہوتا۔ میں روح کی باتوں کو سمجھنے سے عاجز ہوں مجھے بے چہرہ لوگوں سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ میں بات بدلنے کے لئے محبت کا تذکرہ چھیڑتا ہوں تو روح کہنے لگتی ہم کسی سے کبھی محبت نہیں کرتے ہم بس لاشعور میں دبی کسی محرومی کو محبت کا نام دیتے ہین۔ مجھے روح کی باتوں سے الجھن ہونے لگی ہے اب یہ کہہ رہی ہے جب محبت ٹوٹتی ہے تو سامنے آنے والی کسی بھی چیز میں ڈھل جاتی ہے کسی بھی جذبے میں تحلیل ہو جاتی ہے زیادہ تر محبت ٹوٹ کر کسی اور محبت میں بدل جاتی ہے۔ پر کبھی کبھی یہ نفرت میں بدل جاتی ہے اور یہ بدلاؤ ایسا ہے جیسے آپ خود کو کسی بھٹی میں پھینک دیں۔ یہ کہتی درد وہ نہیں ہوتا جو چوٹ پر ہو یا کسی کے چھوڑ جانے پر محسوس ہو۔ درد وہ ہوتا جو یاد بن کر جسم کے حافظے میں زندہ رہے جو ناسور بنے

دانے کی طرح جسم پر ہو جس سے اٹھتی درد کی ٹیسیں آپ ہمیشہ محسوس کرتے رہیں۔

میں روح کا فلسفہ سمجھ نہیں پاتا اس لئے زیادہ تر اس کی سنتا رہتا ہوں جیسے سب سمجھ رہا ہوں!



آنگن

میرے خوابوں کی ساری کھڑکیاں آج بھی اسی کے آنگن میں کھلتی ہیں

اور کون جانے کے دہلیز پر مری ان دو سرمئی آنکھوں میں انتظار آج بھی زندہ ہو!



خواب ناتمام

کیوں نا ہم چاہتوں کے وادیوں میں خوابوں کی پریوں کا ناچ دیکھنے چلیں۔۔اور۔ محبت کی بارش میں بھیگتی دل کی پگڈنڈیوں پر ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر میلوں چلیں اور راستے میں پڑھنے والے ہر منظر پر اپنا نشان چھوڑتے چلیں جائیں، آؤ محبت کے افق پر سنہری تتلیوں کو دیکھیں جن کی پروں کی سرسراہٹ تمہاری محبت بھری سرگوشیوں سے مشابہت رکھتی ہیں۔۔۔آؤ۔۔۔ محبت کے درخت تلے بیٹھیں اور ایک دوسرے کی آنکھوں میں کھو جائیں۔۔ایک دوسرے کی آنکھوں کا خواب بن جائیں۔ ۔۔آؤ سب کچھ بھول کر ایک دوسرے میں یوں تحلیل ہو جائیں جیسے ہمارے کہے گئے بول فضا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔۔۔آؤ ایک دوسرے کی دل میں محبت کا پھول بن کر اگیں اور محبت کو خدا کا وردان سمجھ کر سینے سے لگالیں۔۔آؤ۔ کائنات سے پرے دھوئیں میں ایک چاہتوں بھرا محل تعمیر کریں ایک اینٹ تلے تم اپنی اناء رکھو دوسری اینٹ تلے میں اپنی انا رکھتا ہوں۔۔۔آؤ محبت کی کہر آلود شام میں ملیں!!



ساعت درد

جب آپ کے ہونے سے کسی کو فرق نہیں پڑتا تو پھر آپ کیسے سوچ لیتے کے آپ کے نہ ہونے سے کسی کو فرق پڑے گا۔۔زندگی کا دریا بہتا رہتا ہے اور لوگ بھول کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔۔کوئی کسی لئے نہیں رکتا۔۔۔سچ کہوں تو جہاں آپ کو محبتیں نہ ملیں جہاں خلوص کی مقتل گاہیں قائم ہوں۔جہاں رشتے رویوں کی تلواروں سے احساس قتل کر رہے ہوں، جہاں لہجے روح پر گہرے گھاؤ ڈالیں۔جہاں آنکھیں روتی ہوں۔دل غم زدہ رہے۔۔۔جہاں آہیں ننگی پھرتی ہوں اور خواب آنکھوں میں مرے پڑے ہوں۔جہاں سسکیاں مسکراہٹوں کی آڑ میں سسکتی ہوں۔۔جہاں قہقہے غم کا نوحہ ہوں۔۔جہاں اشکوں کے دام بہت تھوڑے ہوں۔۔جہاں درد کا کوئی گاہک نہ ملے۔۔وہاں آپ کو نہیں ہونا چاہئے کبھی ،۔چپ کر جا عبد اللہ۔۔۔اب بس بھی کر دے۔۔تو کیا کرہا؟۔۔تو یہ سب کس کو سنا رہا ہے۔کون سن رہا ہے تیری۔۔سماعت سے محروم لوگ غم کے ماتم کو ٹھٹول سمجھ کر قہقہ لگاتے ہیں۔

تو کون سے جذبوں کو اظہار دے رہا کون سی فریادوں کو ہو چیخ بنا رہا ہے کون سے زخموں کو کریدنے بیٹھا ہے۔۔وہ کون سا سانحہ ہے جو تجھ پر بار بار گزرتا ہے۔۔۔وہ کون سا درد ہے جو ٹھہرتا ہی نہیں۔۔وہ کون سا زخم ہے جو بھرتا ہی نہیں۔۔۔وہ کون سی راحت ہے جو ملتی ہی نہیں۔کیا ہے وہ کھوئی ہوئی خوشی کے جس کی تلاش لازم ٹھہری۔مجھے بتا تو سہی وہ کون سی خلش ہے جو بے چین کرتی ہے۔۔۔وہ کون سی بے چینی ہے جس کا ڈسا ہوا ہے تو۔۔تیرے اندر یہ کون سا صحرا آباد ہے جس میں حسرتوں کے بگولے دیوانہ وار اٹھتے ہیں۔۔۔تیری خشک آنکھوں میں یہ کون بہہ رہا ہے۔۔تیری خاموشی میں کون چیخ رہا ہے۔۔۔تیری تنہائی میں کون آباد ہے۔۔۔تیری بینائی میں کون اندھا بنا بیٹھا ہے۔۔۔اور بتا تو سہی تیری سچائی میں کون جھوٹ بولے جا رہا ہے۔۔چپ کیوں ہے اب۔ایسے ہی درد کا طوفان بد تمیزی مچا رکھا ہے۔۔۔تو درد کا جھوٹ ہے۔۔۔سراپا جھوٹ ہے تو۔۔۔تیرے لفظ اب مزہ نہیں دیتے۔تو مان لے

کے تیری صداؤں پر یہاں کوئی کان نہیں دھرنے والا ہے۔۔ سمجھ گیا نا۔۔۔ ؟۔۔

ہاں ہاں سمجھ گیا۔۔۔ میرے اردگرد اعلیٰ زوق لوگ موجود ہیں جو لفظ چنتے ہیں درد نہیں۔۔۔ مجھے خاموش ہو جانا چاہئے۔۔۔ سکوت اوڑھ لینا چاہئے اور تاریکیوں میں خود کو گم کر لینا چاہئے۔۔ تا کہ لوگ مجھے بھول جائیں۔۔۔ اور میرا وجود خواب بن جائے۔۔۔ جاگتی آنکھوں کا خواب!



منظر

کچھ منظر اور کچھ لطف انسان ساری زندگی یاد رکھتا ہے۔۔۔ جیسے محبوبہ کا پہلا حلاوت انگیز بوسہ جس کی شیرینی شراب طہورہ کے جام سے کہی زیادہ شیریں ہوتی ہے پہلے بوسے کی کسک اور لطف جیسے بھلایا نہیں جاسکتا بلکل ویسے ہی کچھ منظر انسان کی نگاہوں میں جم سے جاتے ہیں۔۔ ایسا ہی ایک منظر چند برس پہلے میں نے دیکھا۔۔

یہ دسمبر کی سرد شام سے کچھ پہلے کا ذکر ہے۔۔۔ گھڑی کی سوئیاں ہندسوں پر نجانے کہاں تھیں۔۔ میں ہوٹل کی چھٹی منزل کے کمرے سے متصل بالکونی میں کھڑا تھا۔۔ آتش دان میں آگ جل رہی اور لکڑیاں چٹخ جارہیں تھیں۔ گویا جلایا جانے پر احتجاج کر رہی تھیں۔ برفیلی پہاڑیوں پر سے شام سنبھل سنبھل کر وادی کی سمت چلی آرہی اور اس کے جلو میں اداس کر دینے والی دھند تھی۔۔۔ میرے ہاتھ میں کوفی کا کپ تھا جس سے اٹھتی بھاپ سرد فضاء میں کانپ رہی تھی۔۔ فضا میں بڑھتی خنکی اور سرد ہوا کے جھونکے برف کی آمد کا مژدہ سنا رہے تھے۔ اور شام سے کچھ پہلے برفباری نے کسی دوشیزہ کی طرح انگڑائی لی اور روئی جیسے گالے چار سمت ناچنے لگے مانو تو ایسا لگتا تھا جیسے دسمبر کے لبوں سے سفید پھول جھڑ رہے ہوں۔۔ چار سمت ہولناک سناٹا چھا گیا تھا۔۔۔ میں نے زندگی میں اتنی گہری خاموشی کبھی محسوس نہیں کی تھی۔۔ رگوں میں اترنے والی خاموش۔۔۔ بس برف گرنے کی آواز تھی ایسا لگتا تھا جیسے کوئی پری

اوس سے بھیگی گھاس پر چلی جا رہی ہو۔ بلکل ایسی آواز تھی۔۔۔نیچے سڑک پر برف کی تہہ جمنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے سڑک برف تلے روپوش ہو گئی ایک دوسرے سے ملے ہوٹل برفانی تودوں میں تبدیل ہونے لگے اور ہر سمت سفیدی اپنے پر پھیلانے لگی۔۔دو گھنٹے کے بعد جب برف رکی اور آسمان پر بادلوں کے منتشر ٹکروں میں سے تیرویں کے چاند نے جھانکا تو وادی برف اوڑھ چکی تھی اور پہاڑیوں پر ایستادہ درخت جھک چکے تھے۔۔میں نے کھڑکی سے دور تک نظر ڈالی ماحول سفید رنگ میں رنگا تھا اور ہوٹلوں کی کھڑکیوں سے چھن کر آتی سنہری کرنوں سے سڑک پر پراسرار سے ہیولے ابھرے جا رہے تھے۔مجھے لگا میں کسی طلسماتی کہانیوں کا کوئی شہزادہ ہوں جو شہزادی کو دیو کی قید سے چھڑانے آیا ہو۔۔وادی جھیل کی سطح پر تیرتی سفید مرغابیوں کی طرح چاند کی کرنوں میں تھرتھرا رہی تھی۔ اور

رات دھیرے دھیرے سرک رہی تھی!



انتظار میں لپٹا اسٹیشن

میں لکڑی کے چوبی بینچ بیٹھا انتظار کو چلتے پھرتے دیکھ رہا تھا سامنے بیٹھے بوڑھے کی جھریوں سے انتظار تاکا جھانکی کر رہا تھا۔ قلیوں کے شکن زدہ لباس کی لکیروں میں بھی انتظار رقص کر رہا تھا میرے سامنے کچھ دوری پر بیٹھی لڑکی کی ہاتھوں میں لگی مہندی سے بھی انتظار کی مہک آ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں انتظار جل رہا تھا۔انتظار گاہ میں چلتے پنکھے تک ہوا کی جگہ انتظار پھینک رہے تھے۔موتیے کے پھول بیچنے والا لڑکا نہیں جانتا تھا کہ اس کے پھولوں سے انتظار کی باس آ رہی ھے۔ میں نے اس بوڑھی کو بھی دیکھا جس کے سفید بالوں میں انتظار کے کچھ کالے بال اگ آئے تھے۔ سپیکر سے آتی آواز گویا انتظار کی آہٹ تھی جسے سن کر سب چونک اٹھتے تھے اور ریل کی پٹڑیوں پر دور تک اس سمت انتظار بھری نگاہ ڈالتے جہاں سے ریل انتظار کی پٹریوں پر سے کچھ اور انتظار لیکر آتی۔ یہاں ہر طرف انتظار تھا۔چلتا انتظار

۔ٹھہرا انتظار۔ دوڑتا انتظار۔ بیٹھا انتظار ۔لیٹا انتظار۔۔بولتا انتظار خاموش انتظار۔۔ریلوے اسٹیشن کے چپے چپے پر انتظار جم سا گیا تھا۔۔جیسے ٹھہرے پانی پر کائی جم جاتی ھے۔

لو ٹرین آگئی اس میں بھی ہر سیٹ پر انتظار بیٹھا تھا۔۔منزل پر پہنچ جانے کا انتظار۔۔!



میرا دل

میرا دل ایک قدیم مندر ہے جس کی تاریک راہداریوں میں کچھ پر اسرار سے کردار سایوں کی صورت میں پھرتے ہیں۔۔ یہ وہ کردار ہیں جو مستقبل قریب میری انگلیوں کے پوروں سے پیدا ہوں گے اور محبت کی داستانوں میں حقیقت بن کر ابھریں گے۔ ۔

اس مندر کی خاموش فضاؤں میں کچھ خوابوں کی تتلیاں بھی قید ہیں جو خواہشوں کے پھولوں پر اکثر منڈلاتی رہتی اور ان کے پروں کے سرسراہٹ ماضی کے بند کواڑوں سے ٹکرا کر دم توڑ دیتی ھے ۔۔۔ان تاریک راہداریوں کے ساتھ ملے کمروں میں کچھ المیہ داستانیں رہتی ہیں جن کی عبارتیں آپس سرگوشیاں کرتی رہتی ہیں۔۔۔ اس مندر کے مرکزی گوشے میں ایک آتش دان ھے جس میں امید کی آگ جب کبھی روشن ہوتی ھے تو مندر کی سیلن زدہ دیواروں پر کچھ پر اسرار سے ہیولے رقص کرنے لگتے ہیں۔ ان کو دیکھ کر ایسا لگتا جیسے مردہ خوابوں کے جنازوں کو امیدیں کاندھا دیتے ہوئے چل رہی ہوں ۔۔اس آتش دان کے سامنے ایک وال کلاک ھے جو وقت کی چال سے اکثر سہما سا رہتا ھے اس کلاک میں نہ سوئیاں ہیں نا ہندسے بس ایک بد نصیبی اس میں مسلسل حرکت کرتی ھے جو دیکھنے پر بھی دکھائی نہیں دیتی ۔۔اس مندر کے نیچے قید خانوں کا نا ختم ہونے والا سلسلہ ھے جس میں ان گنت خواب۔ حسرتیں اور لاحاصل تمنائیں عمر قید کی سزا کاٹ رہی ہیں۔ اس مندر کے کچھ حصے بلکل خالی ہیں کیوں وہاں سے کچھ حقیقی کردار اٹھ کر چلے گئے تھے ہاں ان حصوں میں سونا پن اکثر پایا جاتا ھے۔۔اس کے فرش پر گزرے

زمانوں کی دھول پڑھی اور جب یادیں دبے پاؤں اس ہر چلتی ہیں تو کچھ بے معنی نشان سے اس پر پڑھ جاتے ہیں اور پھر آنسوؤں کی بارش سب کچھ دھو ڈالتی ھے۔۔اس کی کچھ راہداریوں میں اتنی زیادہ تاریکی ھے کے دعاؤں کی روشنی تک ان میں نہیں جاتی ان تاریک راہداریوں میں کچھ زندہ تصاویریں ٹنگی ہیں جو قدرت نے مردہ آرزؤں کے خون سے بنائیں اور ان آرزؤں سے رستا خون مندر کے اداس لمحوں میں جم سا گیا ھے۔۔اس تاریک مندر کے دروازوں اور دریچوں پر انتظار کے قفل لگے ہیں اور یہ انتظار لمحوں سے صدیوں تک محیط ہے!



خود کلامی

رات بہت تاریک سی ھے۔۔۔ آسمان پر کچھ تارے باسی پھولوں کی طرح پڑھے ہیں اور بادل کے ٹکڑے گمشدہ بھیڑوں کی طرح پھر رھے ہیں۔۔۔ جو راستے دن کے اجالوں میں آباد تھے وہی راستے رات کی تاریکیوں میں دم بخود سے ہیں۔۔۔ گھر۔۔۔ مارکیٹ۔۔۔ شہر ملک اور "دل "لوگوں سے آباد ہوتے ہیں جن راستوں پر لوگ نہیں چلتے ان ہر جھاڑیاں اگ آتی ہیں۔۔خالی گھر گمشدہ روحوں سے اٹ جاتے ہیں ۔۔اور خالی دلوں میں تنہائیوں کی چاپ گونجتی رھتی ھے ۔۔۔پتا نہیں کیوں لوگ شہر اور گھر چھوڑ دیتے ہیں۔۔۔اور دل کی رونق بستیوں کو ویرانوں میں بدل دیتے ہیں۔۔ سوچتا ہوں!

ایک شہر برباد ہوتا ھے تو دوسرا بستا ھے۔۔۔ایک راستہ ویران ہوتا تو دوسرے راستے پر چہل پہل ہوتی ھے۔۔۔ایک گھر کے مکین دوسرے گھر کو رونق بخش دیتے ہیں۔۔۔ایک عجیب بات دل میں آئی کے آپ کے دل کو ویران کر دینے والا بھی تو کسی اور کے دل میں شمع بن کر روشنی پھیلا رہا ہوتا ھے ۔۔شاید بربادی ۔۔۔ آبادی کا دوسرا رخ ھے۔۔۔ایک کیاری اجڑتی ھے تو ایک گلدان سجتا ھے۔۔۔ایک پھول ٹہنی سے نوچا جاتا ھے تو کسی کی زلف سجتی ھے۔۔۔۔رات کے اس پہر جب کائنات

میٹھی نیند میں ہے اور رات اپنا آدھا دور مکمل کر انگڑائی لے رہی تو میں سوچ رہا ہوں۔۔ شہر اجڑتے ہیں تو بسا لئے جاتے ہیں۔۔ گھر ویران ہوں تو کچھ اجنبی اسے آباد کرتے ہیں۔۔ بھلا دیئے گئے راستے بھی راستہ بھول جانے والوں سے آباد ہو جاتے۔۔۔ پر یہ جو دل ہوتے نا جب اجڑ جاتے پھر بس نہیں سکتے ویران ہو جائیں تو کبھی آباد نہیں ہوتے۔۔۔ پتا نہیں کیوں۔۔۔

۔۔۔رات کے دو بجنے والے ہیں اور میں آسمان کی وسعتوں میں نیند سے خالی آنکھیں جمائے بیٹھا خود کلامی میں مصروف ہوں۔۔۔۔۔ آہ یا خود کلامی!



الوداع

لو صبح آن پہنچی کائنات نے تاریکی کا لباس اتار پھینکا اور ہر سو روشنی پھیل گئی۔۔ بلبل نغمہ سرائی میں مشغول ہے اور تتلیاں فرت مسرت سے ناچ رہی ہیں۔۔ کلیاں مسکرا رہی ہیں جیسے خزاں نے آنا ہی نہیں۔۔ لوگ ہنستے ہوئے گھروں سے نکل پڑے اور سڑکیں گاڑیوں تلے پامال ہونے لگیں۔۔ فضا میں شور گونجنے لگا اور سکوت اس میں کہیں دفن ہو گیا۔۔۔

میں تنہائی میں بیٹھا الوداع کے لئے مناسب الفاظ چھانٹ رہا ہوں پر کہاں۔۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے دل و دماغ میں جو چل رہا ہوتا ہے اسے لفظ نہیں بیان کر سکتے۔۔۔ میں آپ سب کا شکر گزار ہوں کے آپ نے مجھے عزت و احترام سے نوازا۔۔۔ میں یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جا رہا میری جھولی میں آپ کی محبتیں اور آپ کے ساتھ گزارے گئے وہ حسین لمحات ہیں جو میری تنہائی کا سہارا رہیں گے۔۔

زندگی کے کاندھے پر سوار ہم مختلف مقامات سے گزرتے ہیں اور ہر مقام پر کچھ دیر کے لئے رکتے ہیں وہاں کے منظروں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ وہاں کے لوگوں سے ملتے ہیں اور کچھ اچھی اور بری یادوں کو لئے آگے بڑھ جاتے ہیں۔۔ زندگی کی لگام ہمارے ہاتھ میں نہیں ہوتی تقدیر کے ہاتھ میں ہوتی

ہے اور وہی ہماری زندگی کے مقامات اور لوگوں کے نام کے لفظوں کو بدلتی رہتی ہے!



آنسو اور قہقہے

سورج لمبی مسافت طے کر آیا اور اس کی سنہری مائل کرنیں افق کے کناروں سے الوداعی سرگوشیوں میں مصروف ہیں۔

کائنات وقت کی لہروں پر ڈول رہی ھے جیسے سمندر میں میں کوئی بدمست جہاز۔۔

خوشی کا دن اپنے اختتامی لمحات میں ھے اور ہر طرف بے نام سی اداسی ڈیرے ڈال رہی ھے۔

عبداللہ دریا کے کنارے بیٹھا بہتے پانی کا ترانہ سن رہا ھے اور اس کے سینے میں اکتایا سا دل سوچ رہا ہے کے خوشی کا ایک لمبا عرصہ بھی ہمیں قلیل لگتا ھے اور غم کے کچھ پہر بھی صدیوں طویل۔۔خوشی کے قہقوں میں ہم غم کے آنسوؤں کو فراموش کر دیتے ہیں اور جب غم ہمیں اپنی گرفت میں لیتا ھے تو خوشی کے قہقے ہمیں یاد نہیں رہتے۔۔۔ حالانکہ آنسوؤں اور قہقوں کا چولی دامن کا ساتھ ھے۔۔دونوں ساتھ ساتھ ہو کر بھی اکثر جدا رہتے ہیں۔۔ ہم دونوں کو ایک ہی وقت میں استعمال نہیں کر سکتے۔۔۔ یا لبوں پر مسکان ہو گی یا آنکھوں میں آنسو۔۔

اے انسان۔۔۔ آنسؤں میں قہقوں کو یاد رکھ اور قہقوں میں آنسوؤں کو۔۔۔ تا کے تیرا وقت آسانی سے کٹ سکے۔۔اور تیری روح بیماری سے بچ سکے!



سفر

میں گاڑی کی ونڈو سیٹ پر بیٹھا ہوں اور گاڑی مسلسل بھاگ رہی ھے اور سب کچھ پیچھے چھوٹتا چلا جارہا ھے۔۔۔میں دیکھارہا ہوں سڑک کے کنارے چلتے لوگ۔۔۔ بڑے بڑے جلتے بجھتے سائن بورڈ۔۔ کھمبے

اور درخت غرض ہر چیز پیچھے چھوٹتی چلی جارہی ہے۔۔ میں ان سب کو دیکھتے ہوئے تھک گیا اور آنکھیں موند کر سوچنے لگا۔۔۔۔

ہم سب ایسے ہی زندگی کی گاڑی پر سوار ہیں اور یہ گاڑی بھاگ رہی ہے کچھ کو منزل پر اتار رہی اور ایسے ہی سب کچھ پیچھے چھوٹ رہا ہے۔۔۔ سب رشتے ناتے۔۔۔ دکھ درد۔۔۔ جس کسی کا سٹاپ آتا ہے وہ اتر کر چلا جاتا ہے اور اس کی جگہ کوئی نیا سوار لے لیتا ہے۔۔۔۔ شاید یہی زندگی ہے۔۔۔ ایک سفر۔۔۔ میری ساتھ والی سیٹ پر ایک نوجوان بیٹھا اپنے ہی خیالوں میں کھویا ہے ہم دونوں ساتھ بیٹھے ہیں لیکن اجنبی ہیں۔۔۔ ہم بہت سا سفر ساتھ طے کریں گے لیکن اجنبی ہی رہیں گے۔۔۔ اکثر ہماری زندگی میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کوئی ہمارے ساتھ ہم سفر ہوتا ہے لیکن ہمیشہ سے ہی ہم اجنبی رہتے ہیں۔۔۔ ہماری زندگی کی ٹرین بھی خوابوں اور خواہشوں سے لدی بھاگی جارہی بھاگی جارہی!



پریشان

رات نے دن کو شکست دے دی اور تاریکی روشنی پر غالب آگئی۔۔ بلند و بالا عمارتیں۔۔۔ مارکیٹیں ۔۔ حویلیاں برقی قمقموں سے جل اٹھیں۔ اور شہر کا شہر جاگ اٹھا گویا پھر سے زندہ ہو گیا ہو ۔لوگ عید کی خریداری کے لئے نکل آئے۔

لیکن میرے لئے کچھ بھی نہیں ہے ایک افسردگی ہے جو غریب کی غربت کی طرح بڑھتی جارہی ہے۔۔ میں گھر سے ہزاروں میل دور ایک مسجد کے چبوترے پر بیٹھا ہوں۔۔ جو بازار کے بیچوں بیچ واقع ہے۔۔

میرے اردگرد لوگ چل پھر رہے ہیں۔۔۔ قہقہے لگا رہے ہیں۔۔ ابھی ایک لڑکیوں کا گروہ میرے سامنے سے گزرا ان کی ہنسی صدائے بازگشت بن کر ابھی بھی فضا میں گونج رہی ہے۔ ایک باپ اپنے بچوں

کو لیئے گزرا بچے جو باپ کو بتا رہے تھے انہوں کیا کچھ لینا ھے۔۔۔میں نے ایک بوڑھے کو بھی دیکھا جو زندگی کے نوے سال کاندھوں پر اٹھائے شکستہ قدموں سے نجانے کہاں چلا جا رہا تھا۔۔مجھ سے کچھ دور ایک فقیر جھولی پھیلائے بیٹھا ھے اور پچھلے ایک گھنٹے سے ہر آنے جانے والے کو اپنی بد بختی اور بھوک کا دکھڑا سنا رہا ھے پر کون سنتا ھے۔۔میں تاریکی میں بھی اس کے چہرے کی مایوسی دیکھ سکتا ہوں۔۔

مجھے یاد آیا کہ کچھ منچلے بھی میرے سامنے سے گزرے ان میں ایک مزے لے لے کر اپنی محوبہ سے ملاقات کا حال سنا رہا تھا اور باقی رشک امیز انداز میں سن رہے تھے ۔۔۔

ان سب کے بیچ کچھ آوارہ کتے بھی منڈھلا رہے تھے اور گاہے بگاہے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر بھونک دیتے ۔۔

لیکن ان سب سے مجھے کیا۔۔؟؟

میرے سینے میں وہی افسردہ دل ھے اور بدن میں وہی غم زدہ روح۔۔بس ایک تنہائی کا گھر ھے اور تیری دوری کا احساس۔۔۔

یہ دوسری رات ھے جو گھر سے ہزاروں میل دور ایک اجنبی شہر میں بسر ہو گی ایک بے چارگی ایک دکھ مجھے سمیٹ رہا ھے اور ہوا سسکیاں لیتی ہوئی میرے ارد گرد ناچ رہی ھے۔۔طبعیت اس ماحول کی عادی نہیں ھے اور بدن گرمی کی آگ میں جھلسا جا رہا ھے۔۔پتا نہیں شہر کے لوگ اس قیامت خیز گرمی میں زندہ کیسے رہتے ہیں۔۔۔بلکے مجھے یہ سوچنا ہو گا میں اس گرمی میں کیسے زندہ رہوں گا۔سچ کہوں تو زندہ رہنا بھی کون چاہتا ہے

۔۔میرا وجود بھاپ بن رہا ھے اور پسینہ مساموں سے بہہ نکلا ہے

قدرت کے ہاتھ نے زندگی میں آوارگی لکھ دی۔۔۔اب پھریں گے نگر نگر۔۔۔۔دربدر۔۔۔۔

اس آخری ساعت میں ماں جی کی بڑی یاد آ رہی ھے نجانے وہ کیا کر رہی ہوں!



(لاحاصل)

کبھی ہم کسی کو چھوڑ کر جاتے ہیں پھر یہ سوچ کر پلٹ آتے ہیں ہوسکتا ھے وہ بدل گیا ہو۔۔ اسے ہماری ضرورت ھو۔۔ وہ ہمیں یاد کرتا ہو۔ ہم ہزار دلیلیں خود کو مطمئن کرنے لئے کہتے ہیں۔

لیکن جب ہم پلٹتے ہیں تو سب کچھ ویسے کا ویسا ہوتا ھے۔۔ وہی بے اعتنائی ہوتی ھے وہی بے رخی ہوتی ھے ۔۔ وہی اذیتیں ہوتی ہیں۔۔ وہی ستم ہوتے ہیں۔۔۔ ہم بار بار جاتے ہیں بار بار پلٹ کر آتے ہیں۔۔۔ کیوں کے ہمیں اس رشتے سے محبت ہوتی ھے ہم اس رشتے کو نبھانا چاہتے ہیں۔ ہم خود کو جھوٹی تسلیاں دیتے ہیں۔۔۔ ہم اپنی عزت نفس کو روز روندتے ہیں۔۔ اپنے اندر کے انسان کو روز مارتے ہیں۔۔۔ ہم رشتہ بچانا چاہتے ہیں ۔۔ ہم محبت نبھانا چاہتے ہیں۔۔۔ ہم اپنی ذات کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔۔ اس ایک تعلق کے لئے جس سے ہمیں فقط درد اور آنسو ہی ملتے ہیں۔۔ لیکن ہم یہ سب کہاں دیکھتے ہیں ہم تو اس رشتے اور محبت کو دیکھتے ہیں ہم اس تعلق کو بچانے کے لئے اپنا سودا تک کر گزرتے ہیں۔۔ اپنی خواہشات اور جذبات کو گروی رکھ دیتے ہیں۔۔۔ لیکن حاصل کیا ہوتا ھے وہی تھکن وہی درد وہی اذیتیں۔۔۔ ہماری روح بوسیدہ ہو کر جھڑنے لگتی ھے ہمارا بدن ٹوٹ جاتا ھے ہمارے قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں۔۔ ہم روز اپنے ساتھ جنگ لڑتے ہیں۔۔۔۔۔ اور پھر اس جنگ میں ہم رشتہ ہار جاتے ہیں۔۔۔ اپنا سب کچھ لٹا کر ہم ہار مان لیتے ہیں۔۔۔ کیوں کے ہمیں ہارنا ہی ہوتا ھے۔۔۔ اکثر راستوں پر ہمسفر نہیں ملتے۔۔۔ اور نہ ہی منزلیں۔۔ تو پھر ایسا ہوتا ھے ہم اپنی شکست تسلیم کر لیتے ہیں۔ اپنی ہار کو گلے لگا لیتے اور پھر وقت کی گہری دھند میں روپوش ہو جاتے ہیں۔۔

سنو۔۔۔ جو سب کچھ ہار کر سب کچھ لٹا کر چلے جاتے نا وہ پھر لوٹ کر کبھی نہیں آتے چاہے ان کو جتنا پکارا جائے کتنا ہی یاد کیا جائے۔۔۔۔ جو چلے جاتے نا۔۔ وہ بس چلے ہی جاتے کیوں کے ان کو جانا ہی

ہوتا ھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے!



اڈکشن

پتا ھے کچھ لوگ محبتوں اور دوسروں کی توجہ کے جیسے عادی ہو جاتے اور اگر محبت نہ ملے یا توجہ نہ ملے تو بے چین ہوتے۔۔ ویسے ہی کچھ لوگ زخم کھانے اور درد سہنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔۔ کوئی زخم نہ ملے اور درد نہ ہو تو انہیں لگتا وہ کس قدر ادھورے ہیں انہیں درد اور اذیت دیتے رہنا چاہئے تاکہ انہیں احساس ہوتا رہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہیں!



عورت

فطرت کے ہر حسن کا عکس عورت ہے۔ دھوپ میں بارش، برفیلی پہاڑیوں کے دامن میں جھیل، کوئی گرتا ہوا جھرنا، کوئی گاتی ہوئی بلبل، کوئی اڑتی ہوئی تتلی، آسمان میں پھیلی ست رنگی دھنک، آسمان میں بادل، دھوپ میں چھاؤں، احساس سے بھری نظم، سچائیوں کی کوئی داستان، افق پر پھیلی آتشی سرخی، غرض عورت وہ آئنہ ہے کہ جس میں قدرت کا ہر روپ دکھائی دیتا ہے۔

اور آخر میں میرا وہی جملہ۔

آخر اس کائنات میں چاہنے کے لئے ایک عورت سے زیادہ کچھ بھی قیمتی نہیں ہے!



جانی!

یہ ابن عبداللہ بھی الو کا پٹھا ھے۔ سچ کہوں تو یہ مجھے پسند نہیں۔۔ ہاں بھئی۔۔ میں یعنی کہ میں خود۔

اب تم پوچھو گے کہ یہ کوئی کرنے کی بات ہے؟

میں نے اس سے پہلے کرنے کی کوئی بات کی بھی ہے کیا؟

کیا کہا؟

ناپسندیدگی کی وجہ؟

وجہ نہیں وجوہات ہیں جانی۔

ایک تو اس دماغ سے میں اکتایا ہوا ہوں۔کمینہ پن نہیں چھوڑتا ہے چوبیس گھنٹے حاملہ رہتا ہے اور کچھ نہ کچھ جنتا رہتا ہے۔جانی!

تخلیق کا عمل بڑا کھرب ناک ہوتا ہے یہ وہ نہیں جانتے ہیں جو اس سے کبھی گزرے نہیں ہیں۔

دردزہ جھیلنا وہ بھی چوبیس گھنٹے تم کیا جانو۔

خیالات کی بمباری دماغ کو پھوڑے کی طرح دکھا دیتی ہے۔

دیکھو لوگ سرہانے پر سر رکھتے ہیں تو نیند آتی ہے اور میں سرہانے پر سر رکھ رکھتا ہوں دماغ میں فکر کے کوے کائیں کائیں کرتے ہیں اور کچھ تو ایسے ناہنجار ہیں دماغ میں انڈے دیکر جینا محال کرتے ہیں۔

تم ناک مت چڑاؤ۔

آج کل میرا دماغ سنتولن خراب ہے۔۔ حالانکہ پہلے میں نیم پاگل تھا آج کل مکمل پاگل ہوں۔

ویسے تو جانی پاگل پن میں بڑی ہوش اور دنائی چھپی ہے۔

تو میں کیا کہہ رہا تھا۔

ویسے آج کل اور ایک خیال میری دماغ میں یا میرے دل میں کہیں پرورش پا رہے ہیں۔

پوچھو تو کون سا خیال؟

تو سنو

آج کل میں عشق کرنے کی سوچ رہا ہوں وہ بھی ایک نہیں تین چار سات آٹھ۔

میں باغی ہوں کہ عشق ایک بار ہوتا ہے۔۔ارے جانے۔
وسعت عشق یہ نامعقول لوگ کہاں جانتے ہیں۔
کیا کہا تم نے؟
ھاھاھاھا
جانی جب لوگ کہتے ہیں میں نے بارہا عشق کی لذت کو چکھا ہے اور اپسراؤں سے میرے دیرینہ مراسم ہیں۔۔
مجھے سخت کوفت کا سامنہ ہوتا ہے۔۔
ارے نہیں الزام پر نہیں جانی
بلکہ اس بات پر اتنی ساری پری دام، مہوشیں، گل بدام جن سے میں نے عشق لڑایا ہیں کدر؟
خیر دفع کرو ان باتوں کو۔
ویسے جانی تم جانتے ہو آج کل میرے دماغ کا توازن خراب ہے جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے۔
تو ایک خراب دماغ کے آدمی سے عشق کے علاوہ اور کون سا کام سرزد ہو سکتا ہے؟
اس دن روحی کہنے لگی کہ آؤ شعر مکمل کرتے ہیں۔
میں نے کہا رہنے دو میرا دماغ پہلے ہی کچرا دان بنا ہوا ہے ایسے میں تم جیسی حسین لڑکی کے ساتھ شعر مکمل کرنا خطرے سے خالی نہ ہو گا
بات کو ان سنی کرتے ہوئے بولی اس کو مکمل کرو۔
آ کسی گھنے شجر کے سائے میں
جانی میرا دماغ سٹکا ہوا تھا بولا۔
آ کسی گھنے شجر کے سائے میں

تجھے اتنا چوموں کہ شجر جی اٹھے

لو جانی پھر کیا تھا۔

شٹ اپ بول دیا سیدھا ہی۔

لو کر لو گل۔یعنی کہ اتنے رنگین شعر کے جواب میں حوصلہ افزائی کے لئے مجھے منہ لگاتی تو کیا برا تھا؟

کیا کہا۔

میں اپنی بکواس بند رکھوں ؟ کہ یہاں بڑے پڑھے لکھے ڈیسنٹ لوگ ہیں جو میری اس ہرزہ سرائی سے برا مان سکتے ہیں

دیکھ جانی۔

ڈیسنٹ لوگوں کے ساتھ بڑے مسائل ہیں

نہ کھل کر ہنس سکتے نہ رق سکتے ہیں

اوپر ظاہر پر فریب کی ملمع کاری کر کے اندر اندر خود ہی لطیفہ سنا کر ہنستے ہیں۔

اس لئے ان کی باتوں کو رہنے دو۔

میں موضوع سے بھٹک گیا۔

میں کہہ رہا تھا مجھے میں پسند نہیں ہوں۔

ایک اور وجہ بھی ہے۔

گناہ پورا نہیں کرتا کبھی اور حد لگ جاتی ہے۔۔مطلب میری بد قسمتی تو دیکھو۔۔سنگسار ہوتا ہوں پر گناہ نہیں کرتا۔

جانی۔

گناہ تو کرنے دو کہ سنگسار ہونے میں ملال نہ ہو

وہ رکشے کے پیچھے لکھا ہوتا

رُل تے گیاں پر چس بڑا آیا

کیا کہا؟

دفع کرو جانی۔

ادبی باتیں اور اسٹیٹس اور سنجیدگی بردباری کی پین دی سری۔

مجھے کہنے دو۔

میرے ساتھ یہ عجیب معاملہ ہے کہ

رُل بھی جاتا ہوں اور چس بھی نہیں آتا۔

خیر۔۔

چلو آج کے لئے اتنی بکواس کافی ہے۔۔کچھ بعید نہیں کہ لوگوں کے اندر انسان جاگ جائے۔۔۔تو بات یہ تھی کہ میں خود کو پسند کرتا ہوں!

☆☆☆☆☆☆☆☆

بارشیں

کچھ بارشیں ایک ہی بار برستی ہیں۔ جیسے محبت کی بارش کہ جس میں انسان بھیگ جائے تو عمر بھر اس کی آنکھوں سے نمی نہیں جاتی ہے۔۔!!

☆☆☆☆☆☆☆☆

کہانی کار

چاند کی کرنیں رات کے دوپٹے کا کونا دانتوں تلے دبائے کھڑکی سے جھانک رہی ہیں۔

کائنات نشہ خواب میں چور گہرے سانس لے رہی ہے اور میں
کتابوں کی جلد پر ابھری ہوئی محبت کی آخری کہانی لکھ رہا ہوں۔
لفظ ایک دوسرے سے چہ میگوئیاں کر رہے ہیں کہ محبت کی کوئی کہانی آخری کہانی نہیں ہوتی۔
پر شاید وہ نہیں جانتے ہیں
کہانی کار زندگی کی آخری کہانی ادھوری چھوڑ کر ڈار سے بچھڑی کونج کی طرح محبت سے بھرے میدانوں اور احساس کی گرتی آبشاروں کے درمیان چپ چاپ دم توڑ چکا ہے۔



اقساط کی موت

جسم کی موت آسان ہوتی ہے۔ پر روح کی موت بڑی مشکل۔ کیوں کہ روح کی موت میں انسان قسطوں میں مرتا ہے!



بچپن کی بارشیں

میرا اور بارشوں کا بڑا گہرا اور پرانا تعلق ھے۔ بارشیں مجھے یوں پسند ہیں جیسے صحراؤں کو بارشیں عزیز ہوتی ہیں اور وہ تپتے سلگتے ہوئے منہ کھولے آسمان کی نیگلوں گہرائیوں کی طرف دیکھتے ہیں۔۔
دادی اماں کے بقول
بارش سکون کا دوسرا نام ھے۔ بارش میں روح سکون میں تیرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ھے جیسے آسمان سے بارش کے ساتھ سکون بھی برسایا جا رہا ہو۔
دادی اماں کی بات سچ تھی
وہ یوں کہ جب گاؤں میں طویل عرصے کے لئے بارش بند ہو جاتی اور مہینوں گزر جاتے تو پورے

گاؤں میں عجیب قسم کی بے زارگی اتر آتی ۔۔مجھے ایسا لگتا جیسے گاؤں کے سارے درخت اپنی چھاؤں سمیٹ کر کسی دوسرے دیس چل دیے ہیں

میں نے جس گاؤں میں ہوش سنبھالا وہاں بارشیں کثرت سے ہوتی ہیں۔۔گرمیوں میں طوفانی بارشیں ہوتی ہیں اور اتنی شدید کہ لگتا آسمان سے زمین تک بارش کی ایک چادر تان دی گئی ہو۔۔۔

جب بچپن میں ایسی بارشیں ہوتی تو ہم ماں جی روکنے کا باجواد کھیتوں میں نکل جاتے۔دور مشرق کی طرف پہاڑیوں سے جیسے بارش اڑتی ہوئی ہماے گاؤں آتی اور میں ھم اس بارش میں سرپٹ بھاگتے رھتے۔۔خوشی سے چیخیں مارتے ہوئے۔۔گیلی مٹی کی خوشبو گاؤں کی دیواروں سے ابھرتی اور پورے گاؤں میں ننگے پاؤں چلنے لگتی۔۔

ھم اس خوشبو کی تعاقب میں رہے۔بھاگتے رہے رہے۔۔سارا بچپن بارشوں اور گیلی مٹی کی خوشبو کے پیچھے بھاگتے گزرا۔

ہم سوچتے یہ بارشیں کہاں سے آتی ہیں۔؟

یہ گیلی مٹی کی خوشبو کہاں سے آتی ہے؟

واللہ اس خوشبو کا ثانی کوئی نہیں ملا۔

سوائے ایک بار کہ جب ہم بس میں سفر کر رہے تھے شدید بارش ہو رہی تھی۔۔تب گاڑی میں ایک بھیگتی ہوئی لڑکی سوار ہوئی اور ھم سے آگے والی سیٹ پر جا بیٹھی۔کچھ دیر بعد جب وہ خشک ہو چکی تو تب اس سے ایک ایسی خوشبو پھوٹی جو گیلی مٹی کی خوشبو جیسی تھی۔۔جتنا سانس کھنچتے اتنی تشنگی بڑھتی۔۔

ھم اس کی خوشبو کی میں مکمّل تحلیل ہو گئے اور ہمیں لگا جیسے ہم انک پیڈ ہیں۔۔جس میں سیاہی جذب ہو جاتی ھے۔۔۔بعد میں نے ھم نے اس لڑکی پر ایک کہانی لکھی۔۔اور یار لوگوں کو لگا ہم نے کسی کی قربت کا ذائقہ چکھا ھے۔

خیر ھم بات کر رہے تھے بارشوں کی۔۔

تو ھمیں بارشیں ہمیشہ اپنی طرف بلاتی رہی اور ھم ہمیشہ ان کی طرف بھاگتے رہے۔۔

کھیتوں کے سلسلے کے بعد پہاڑی علاقہ شروع ہوتا جہاں انواع اقسام کے پرندے چہچہاتے رہتے چیڑھ اور۔دیودار کے بلند درختوں پر طوطوں کی مختلف نسلیں دکھائی دیتیں اور ہد ہد، فاختہ اور مینائیں بھیگتی فضا میں گھومتے ہوئے خدا کا شکر بجالاتیں۔

اور پرندوں کے جگر گوشوں کی معصوم مسرت بھری قلقاریاں گھونسلوں سے سنبھل سنبھل کر اترتی ہوئیں بھیگی ہوئی شاخوں سے جھولا جھولنے لگتیں۔۔خرگوش ھمیں اپنے لئے پہلے پہل خطرہ سمجھتے تھے پر جب ھم مسلسل بارشوں وہاں بھاگتے رہے تو انہوں نے ھم سے پر امن معاہدہ کر لیا۔۔اب وہ ہماری آمد کے ساتھ اپنے بلوں میں گھس کر سر نکال نکال کر ہمیں دیکھنے کے بجائے ادھر ادھر بھاگتے رہتے ۔کبھی کبھار ہمیں لگتا جیسے ھم اور وہ چھپن چھپائی کھیل رہے ہوں۔

آبی گھاس جب زمینوں پر اگتی تو راج ہنسوں کے مختلف قبیلے وہاں اترتے اور گویا وہ بھی ہمارے ساتھ اس دوڑ میں شریک ہو جاتے۔

تب میں نے عدم "nothingness"

کو محسوس کیا اور میں بارشوں کے قطروں میں تحلیل ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھا۔

مجھے لگا جیسے یہی ایک قطرہ پھیل کر پورا سمندر بن بیٹھا ھے اور میں اس قطرے میں موجود سمندر میں کہیں کھو چکا ہوں

انہی دنوں میں نے خاموشی کا رمز بھی سمجھا کہ بارش رکی اور جنگل میں لامکانی سا سکوت پھیل گیا اور بھیگے پیڑوں، اور جنگلی پھولوں کی خوشبو کے علاوہ ہر احساس خاموشی کی گہری کھائی میں جا گرا۔۔پر یہ محسوسات ایک منٹ سے زیادہ نہ رہا۔۔

گاؤں کو جب سرما اپنے پنجوں میں کس کر پکڑ لیتا اور دسمبر جنوری اپنی جملہ رعنائیوں کے ساتھ گاؤں میں قدم رکھتے تو ان کے ساتھ ہی برف اور بارشوں کے طویل سلسلے گاؤں کو اپنا مسکن بنا لیتے۔۔

گھروں سے دھواں اٹھتا اور سرد ہوا میں کسی بیلے ڈانسر کی طرح رقص کرتا رہتا۔

ھم سکھوں کی دور کے ایک سکول کے سامنے لگے ٹین کی چھت تلے بیٹھ جاتے اور سارا سارا دن چھت پر گرتی بارش کی دھن سنتے۔

پکی چھت کے نیچے بارش کا حسن کبھی محسوس نہیں کیا جاسکتا۔۔

بارش کا طلسم یا تو آپ چھتری تلے محسوس کرسکتے ہیں یا ٹین کی چھت تلے۔

لیکن اس سے بھی ایک حسین چیز سگ ھم نے اکتوبر دو ہزار پانچ کے قیامت خیز زلزلے کے بعد ملاقات کی۔

وہ چیز تھی۔

خیمے تلے لیٹ کر بارش کو سننا۔۔۔اس کا حسن بھی الواہی تھا۔۔

جب گاؤں میں برف گرتی تو ہر طرف ہو ایک عالم چھا جاتا۔

پرندے اپنے آشیانوں میں اور لوگ اپنے گھروں میں دبک جاتے اور ھم گھر کی کھڑکی یا چھت پر لگے شیڈ تلے کھڑے ہو کر برف کو گرتا دیکھتے۔۔ابو کی ڈانٹ اور ہزار آوازیں سننے کے باوجود ہم اپنے مورچے پر ڈٹے رہتے۔

برف گرنے کی سرسراہٹ سنتے اور منظروں کو رفتہ رفتہ سفیدی میں ڈوبتے دیکھتے رہتے۔۔

بہت بعد ایک دفعہ ھم وادی "ناران" میں کسی کام سے گئے تو اچانک وہاں برف باری ہونے لگی۔ ھم ہوٹل کی بالکونی میں کھڑے پہاڑیوں سے بھاگتی برف کو دیکھتے رہے۔۔ ھم نے ایک وحشت بھرا سکوت اس دن محسوس کیا۔۔ایسی خاموشی جو خوف اور ڈر سے بھری ہوئی تھی۔۔پر وہ ڈر جسمانی

physical نہیں تھا۔وہ ڈر وجود کا نہیں تھا۔۔وہ ڈر شاید انتہا کا تھا۔۔اور اس کی تفسیر شاید کوئی صوفی ہی بیان کر سکتا ھے۔

وقت تیزی سے بیت گیا۔۔ہم بڑے ہو گئے۔۔اب بھی گاؤں میں بارشیں ہوتی ہیں برف گرتی ھے۔۔پر بارشیں پانی ہیں اور برف سفیدی کے علاوہ کچھ نہیں۔۔شاید فطرت کے کا حسن محسوس کرنے کے لئے انسان کو اندر سے بچا بنا پڑتا ھے۔

کیوں کہ فطرت میں جھانک کر دیکھنے سے انسان کو وہاں خدا دکھائی دیتا ھے۔۔

کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کاش کوئی جن مجھے اٹھا کر ماضی کے اس بھیگتے جنگل میں لے جائے جہاں میں بھیگتا تھا۔۔اب کبھی بارش میں بھیگوں تو تن بھیگتا ھے۔ من چٹیل صحرا کی طرح خشک ھے۔۔۔

بارشیں ہوتی بھی وہی ہیں جن میں من بھیگیں۔۔(اس پر میں نے ایک افسانہ۔"۔آسمان میں کہیں" لکھا)

۔

آج جب بارشیں ہوتی ہیں تو انکھیں بچپن کے سنہری دور کی یادوں کی بارشوں میں بھیگ جاتی ہیں!



خواہش مرگ

میں ایسے دن مرنا چاہتا ہوں کہ بارش ہو۔۔لوگوں کے پاؤں کیچڑ میں جب پڑھیں تو موہوم سی چھپاکے کی آواز کسی پر اسرار پیغام کی طرح سنائی دے۔۔۔لوگ چھتریوں تلے گرتی بارش کو سنیں۔اور خشک پتے اور پھول چھتریوں سے چپک کر جدائی کے احساس کو گھنا کر دیں۔

میں اس دن مرنا چاہتا ہوں کہ جب لوگ اِنتہائی مصروف ہوں ۔۔اور میرے جنازے میں وہ لوگ شرکت کریں جو کسی سے محبت کرتے ہوئے تنہائی کے زہر سے مریں ہوں۔۔ جہنیں ٹھکرایا گیا

ہو۔۔جن کو رولایا گیا ہو۔۔میری خواہش ہے کہ جب میں مروں لوگ خوشی سے ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے ہوں۔۔کوئی آنسو نہ گرے۔۔کوئی ماتم نہ ہو۔۔۔کوئی شور نہ سنائی دے۔۔۔ایک الواہی سا سکوت ہو۔۔۔گہری خاموشی ہو!!



ٹکڑے

ٹوٹا نہیں تھا۔۔ٹوٹا ہوتا تو جڑ جاتا۔

میں تو بری طرح کرچی کرچی ہوا ہوں۔

کہ کون سی کرچی کس کے پاؤں تلے آئی جانتا نہیں میں۔یہ جو میں آپ کے سامنے ہوں۔۔مکمل نہیں ہوں۔۔بلکہ آپ کے سامنے اسی ٹوٹے ہوئے وجود کی ایک کرچی ہے۔۔جسے آپ مکمل وجود مانتے ہیں۔۔۔۔

ٹوٹے ہوئے لوگوں ایک بڑا دکھ یہ ہوتا کہ محض ان کو پتا ہوتا کہ وہ ادھورے ہیں ٹوٹے ہوئے ہیں۔۔باقی لوگوں تو وہ مکمل نظر آتے ہیں!



پیڑ

کچھ پیڑ ایسے ہوتے ہیں جو چاہے کتنے ہی گھنے اور سایہ دار کیوں نہ ہوں ان کی چھاؤں آپ کی کبھی نہیں ہوتی۔چاہے آپ کتنے دور سے تپتی دوپہر میں چل کر آئیں۔جب ان کے سائے میں بیٹھتے ہیں تو لگتا ہے یہ چھاؤں اپنی نہیں ہے۔۔وہ آپ پر اپنا سایہ تو دیتے ہیں۔۔پر اپنی چھاؤں سمیٹ لیتے ہیں۔۔۔۔اور ایک راز کی بات کہوں۔۔۔کچھ لوگ بھی ان درختوں جیسے ہوتے ہیں۔۔اپنا سایہ تو دے سکتے ہیں۔۔۔اپنی چھاؤں سے آپ کو ہمیشہ سے ہی محروم رکھتے ہیں!



احساس

زندگی کا اصل مفہوم سانس لینا ہرگز نہیں ہے۔زندگی یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں آپ ہمیشہ زندہ رہیں۔خوشگوار احساس کے ساتھ کہ جب بھی کہیں کوئی اچھائی ہو کوئی کسی کے ساتھ محبت اور الفت کا برتاؤ کرے،کوئی کسی پر احسان کرے،کوئی کسی کو آگے بڑھنے کا راستہ دے،کوئی جو اوپر والی سیڑھی سے ہاتھ بڑھا کر کسی کو اوپر کھینچ لے۔تو آپ یاد آئیں۔۔اور یہی زندگی ہے۔۔آپ اپنی اچھائیوں کے ساتھ امر ہو سکتے ہیں۔سو خیر بانٹیں۔۔۔خیر ہی خیر ہو گی!



عشق

محبت تو دوسری ہو سکتی ہے۔پر یہ جو عشق ہوتا ہے نا۔۔بس ایک بار ہی ہوتا ہے۔۔اس کے بعد ہو ہی نہیں سکتا۔کبھی بھی نہیں۔۔پتا ہے کیوں۔۔؟۔

محبت کے بعد انسان بچ جاتا ہے۔پر عشق کے بعد نہیں۔عشق سانس میں دبی زندگی کی آخری چنگاری ہے۔بجھنے سے پہلے تک سلگتی رہتی ہے آپ کو سلگاتی رہتی ہے!



شناخت

پھول کا نام بدل دینے سے پھول کو فرق نہیں پڑتا۔کیوں کے اس کی شناخت اس کی خوشبو سے ہوتی ہے نام سے نہیں!



بدنصیب

۔آخر اس شخص سے زیادہ بدنصیب اور کون ہو گا کہ جب اس کا سینہ غم کے بوجھ سے پھٹنے لگے اور وہ رونا چاہے پر اس کی آنکھیں رونے سے انکار کر دیں!



ہنر

جو محسوس کیا جاسکتا ہے وہ یقیناً لکھا جا سکتا ہے۔ لیکن جو محسوس نہیں ہو سکتا اسے لکھ کر کسی کو محسوس کروانا ہی اصل ہنر ہے!



کنارا

۔اب جب کے زندگی کی مٹھی بھر چھاؤں سرک رہی ہے تو میں دیکھتا ہوں کہ دھوپ چھاؤں سے زیادہ گھنی ہوتی ہے کیوں کے اس کا کوئی کونا کوئی کنارا نہیں!



ضرورت

۔چراغ شب صبح کاذب تک جلتا ہے۔ پھر اس کی روشنی کی کسی کو حاجت نہیں رہتا جب تک گہری تاریکی دوبارہ نہ آن دبوچے!



آخر میں

ہر چند کے زندگی بشارتوں اور رنگوں سے عبارت ھے لیکن دنیا کی بڑی سچائی وہی ہے جس انتہا پر جاکر اسے تمام ہونا ہے!



زندگی کی کہانی

زندگی کی کہانی کچھ دوسرے کرداروں کے ساتھ ھمیشہ چلتی ھے۔۔کیوں کے اس کہانی میں کوئی بھی کردار مرکزی کردار نہیں ہوتا۔کوئی کردار ضروری نہیں ہوتا!



کہانیاں

کچھ کہانیاں محض اس لئے ادھوری رہ جاتی ہیں کہ کردار جلدی میں ہوتے ہیں۔لکھنے سے پہلے کہانی سے نکل جاتے ہیں اور ایسی کہانیاں خط کے اس لفافے کی طرح ہوتی ہیں جس سے خط نکال لیا گیا ہو۔اور جس کے اندر بس تنہائی بسی ہو۔ایسے ہی اکثر ہماری زندگی کی کہانی میں سے کوئی کردار عجلت سے نکل جاتا ہے۔اور ہماری داستان پھر فرضی کرداروں کے ساتھ جاری رہتی ہے۔

وہ کردار جو ہماری تسلی کے لئے ہمارا دماغ پیدا کرتا ہے!



وقت کی چال

کچھ پرانے خطوط ڈائریوں میں پھیلے سناٹوں میں سسکیاں لیتے ہیں۔کچھ وعدے تنہائی میں بھیگ جاتے ہیں۔ایفائے عہد کے ہر لفظ سے نمی رستی ہے ۔۔ہر شام میرے زخموں پہ بہار آتی ہے۔شکوہ ہے وقت کے ہر لمحے سے مجھے ۔آخر کیسے وہ لمحے تیرے بن میرے پاس آتے ہیں۔اب جو تو نہیں تو کسی اور سے کہنا کیا ہے۔

کیسے ہر پل مجھے قسطوں میں موت آتی ہے۔۔زمانہ میرے لفظوں کا شیدائی ہے۔۔کوئی دیکھتا ہی نہیں میرے اندر کیا ہے۔؟

لوگ آتے ہیں پرندوں کی طرح۔۔۔شاخ زندگی تیرے بن خالی ہے۔

اڑ جاتے ہیں وقت کی ہوا میں تیرے ساتھ کے لمحے۔۔۔میں سمجھتا ہوں زمانے کا زمانہ ہر جائی ہے۔میں برا تھا پر تو تو نہیں تھا۔یہی سوچ کہ آنکھ بھر آتی ہے۔۔مدتوں جس خواب کو تراشا تھا۔وقت آنے پر وہ آنکھوں سے بڑا نکلا۔۔تو یوں گیا کہ لوٹ کر نا آیا۔۔جیسے میری آنکھ سے بہتا ہوا آنسو نکلا۔۔!!۔



محبت کا چمتکار

میں بتاؤں کہ کوئی بھی خوبصورت نہیں ہوتا، کوئی بدصورت بھی نہیں ہوتا۔سارے چہرے خالی کینوس کی طرح ہوتے ہیں۔

بات یوں ہے کہ کسی کو بھی خوبصورت ہمارے اندر موجود جذبے اور محبت بناتے ہیں۔وہ محبت کمال مہارت سے چہروں کو حسین پیکر میں تبدیل کرتی ہے۔ماں کو ہی دیکھ لیں۔ایک بچا پھٹے پرانے کپڑے ناک بہتی ہوئی۔ہم اسے دیکھ کر برا محسوس کریں گے۔ہم "مینرز" کا سوال اٹھائیں گے۔پر ماں کو وہی بچا خوبصورت دکھائی دے گا۔

محبوب حسین دکھائی دیتا ہے چاہے وہ کس حالت میں بھی کیوں نہ ہو۔یہی تو محبت کا چمتکار ہے!



حسن پرست

جانی سننے میں آئے کہ میں حسن پرست اور فلرٹی مشہور ہو چکا ہوں۔۔؟

پر کان ادھر کرو مزے کی بات بتاتا ہوں۔

یہ جو حسن اور حسینائیں ہیں یہ تو پھول پر منڈلنے والی تتلیاں ہیں خوش رنگ اور بھینی سی خوشبو پر ہی آتی ہیں۔

سمجھتے ہو نا۔۔؟

مجھ پر طعنہ زن لوگ اصل میں مجھے پھول یا باغ کہتے ہیں۔

مجھے مسرت ہے کہ میں ایسا ہوں۔

کس قدر خوشی کا مقام ہے کہ خدا کی بنائی گئی تخلیقات میں سے سب سے نرم اور کومل احساس رکھنے والی ایک تخلیق میری تخلیق کو اس احساس سے سمجھتی ہے جس احساس سے میں اسے قرطاس پر پھیلا دیتا ہوں۔

جن جذبوں کو میں لفظوں میں سینچتا ہوں وہ ان جذبوں کو بالکل اس طرح کشید کر لیتیں ہیں گویا ایک تتلی پھول سے لطافت اور دلکشی لے اڑے۔

آخر مجھ پر الزام کس قدر حسین لگتے ہیں۔

تم ہی بتاؤ جانی!

کئی بار میں لکھ چکا ہوں کہ اس کائنات رنگ و بو میں ایک عورت کے علاوہ اور کون سی ایسی چیز خدا نے بنائی ہے کہ جسے چاہا جائے۔

نشیب سے لیکر بلندیوں تک سفر کرو بلند و بالا عمارتیں، برفیلی چوٹیاں، سبزے سے لدے میدان، پھولوں سے سجی ڈھلوانیں، گہری جھیلیں، ناچتے مور گاتی بل کھاتی ندیاں۔۔اور پھر دیکھو ایک عورت کو۔

کیا اس کی آنکھیں خوبصورتی میں جھیلوں کو مات نہیں دیتیں۔۔اس کی کمر کا بل ندیوں سے زیادہ شوخ نہیں ہے؟۔اس کی سرو قد و قامت کسی برفیلی چوٹی سے زیادہ حسن نہیں رکھتی؟

اس کی نزاکت پھولوں سے زیادہ دلکش نہیں؟۔

سو کہنے دو۔۔مجھے ان نالائقوں کی باتیں مت سناؤ۔

میں حسن پرست ہوں کہ میرا خدا حسین ہے!



ساون کی بارش

۔میرے گاؤں میں ساون کی پہلی بارش شروع ہے اور ہمیشہ کی طرح اس کا حسن بے مثال ہے۔ پیڑوں کی شاخیں کسی نو خیز دلہن کی پلکوں کی طرح جھکی ہوئی ہیں۔ پہاڑ دھند میں مکمل روپوش ہو چکے ہیں اور زمین سے آسمان تک پانی کی چادر تان دی گئی ہے۔

میں چھتری لئے گھر سے کچھ دور کھڑا اس موسم کا حسن محسوس کر رہا ہوں۔

میری پڑوسن چھت پر کھڑی ہے۔ وہ ساون کی ہر بارش کو وہ اپنے وجود میں جذب کرنا لازمی خیال کرتی ہے۔

مجھے علم ہے کہ اسے ماں کی جانب سے کھری کھری سننے کو ملیں گیں۔

اور پھر جب وہ ماں جی سے ملیں گیں تو ہاتھ نچا کر یہ ضرور کہیں گیں۔ اے بہن یہ لڑکی تو پاگل ہے۔۔

فطرت اپنے دروازے ہر کسی پر نہیں کھولتی ہے۔ اس کے لئے آپ کے اندر کو فطرت کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ضروری ہوتا ہے۔

میری پڑوس میں رہنے والی یہ لڑکی سادگی حسن اور دلکشی میں یکتا ہے۔

پر اس کی سادگی فریب نہیں ہے۔

ماں جی کہتی ہیں اسے زندگی میں کافی مشکلات دیکھنی ہوں گیں۔ کیوں کہ وہ چلاک نہیں ہے۔

گاؤں سویا ہوا ہے پر یہ موسم بستر میں برباد کرنے کا نہیں ہے۔

یہ کافی رومانی موسم ہے۔

خوابوں کا موسم ساون کا موسم ہے۔

ہر سحر ایک مدت کے بعد ختم ہو جاتا ہے لیکن محبت تاحیات آپ کو اپنے سحر میں جکڑے رکھتی

ہے۔

میں گھر کو لوٹ رہا ہوں مجھے علم ہے کہ یہ بارش تب تک نہیں رکے گی جب تک وہ لڑکی چھت پر ہے۔۔ آخر اس میں اور بارشوں میں بڑا گہرا تعلق ہے۔۔۔!!



نفرت

لوگوں کی مجھ سے نفرت بجا ہے

کیوں کے میں جسم نہیں روحیں فتح کرتا ہوں۔ہاں تو وہ جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں محض اس لئے کے ان کے لفظ کہانیاں یا شاعری بن جاتے ہیں۔گونگی کتابوں میں دفن ہو جاتے ہیں کہ جب تلک کوئی ان کو کھولتا نہیں وہ اسیر ہو جاتے ہیں۔

اور میں جو عنوان دیتا ہوں وہ عقیدے بن جاتے ہیں۔اداسی کے، محبت کے، تنہائی کے۔

لفظ کبھی گفتگو نہیں کرتے ہیں مگر میں ان کو کلام بخش دیتا ہوں ان کی گویائی لوگوں کے سماعتوں پر ناگوار گزرتی ہے تو اس لئے وہ اپنے لفظ میرے اوپر طعن و تشنیع پر لگا دیتے ہیں۔

پر ایک بات جو وہ نہیں جانتے وہ یہ کے لفظوں اور جملوں کے اندر بڑا طاقتور جادو چھپا ہوتا ہے۔

پر ہر کوئی جادوگر نہیں ہوتا۔وہ جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں ان میں اور مجھ میں اتنا سا فرق ہے کہ۔۔ان کے بولوں کو فضاء نگل لیتی ہے اور میرے بول لوگوں کے دلوں تک رسائی رکھتے ہیں۔

اس لئے زمانے کی مجھ سے نفرت کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔کہ وہ وقت کی قید میں رینگتے ہیں۔۔اور میں "زمان" اور مکاں کی حدود نہیں رکھتا ہے!



ماں جی کی لالٹین

جب گاؤں میں زلزلہ آیا اور بجلی کا سارا نظام ختم ہو گیا۔ تو ماں جی سر شام ہی ایک میل کھائی ہوئی ٹوٹی لالٹین خیمے سے باہر لکڑی سے لٹکا دیتی تھیں۔ اس کی روشنی بس ایک ٹوٹا ہوا گمان لگتی تھی۔

کرنے کو کچھ خاص کام نہیں ہوتا تھا سوائے اس کے سب مل بیٹھ کر زلزلے میں بچھڑ جانے والوں کی باتیں کرتے ان کی اچھائیوں کو گنتے اور ان کے عیبوں سے چشم پوشی کرتے۔

آدھی رات کے بعد جب سب کی باتوں میں نیند قدم رکھتی تو سب اپنے خیموں میں چلے جاتے پیچھے میں اور ماں جی رہ جاتے۔

میرے والد بہت کم گو انسان تھے۔ مجھے یاد نہیں کہ انہوں نے باتیں کیں ہو۔ مزاج کے سخت تھے اس لئے لوگ ان کو کم ہی چھیڑتے تھے۔ گھر کی تمام ضرورتوں کا خیال رکھتے۔ لیکن کبھی پتا نہیں چلتا تھا کہ وہ گھر میں ہیں بھی یا نہیں۔

اب تو وہ خاموش بستی میں سکونت اختیار کر چکے ہیں اور گھر سے کچھ دور ان کا خاموش سا گھر ہے۔

ماں جی جب لالٹین میں تیل ڈالنے لگتیں تو اس کا مرا ہوا شعلہ ایک لمحے کو پوری طاقت سے اندھیرے کے گریبان پر ہاتھ ڈالتا اور دوسرے ہی لمحے واپس بیمار بوڑھے کی طرح ہانپنے لگتا۔

ویسی ہی ایک لالٹین ماں جی میرے اندر کی کسی دیوار پر ٹانگ رکھی تھی۔

کہتیں یہ سچائی کی لالٹین ہے۔ مدھم ہی سہی کمزور ہی سہی لیکن اسے ہمیشہ روشن رکھنا۔

اکثر ماؤں کی طرح وہ دنیاوی علوم سے آشنائی نہیں رکھتیں تھیں۔

لیکن ہر ماں کی طرح ان کا تعلق بھی علوم انسانی سے نہ تھا۔

وہ کہتیں تھیں زندگی میں اکثر سچ اس لالٹین کی طرح کمزور ہو جاتا ہے۔ جھوٹ کا اندھیرا طاقت ور ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں کوشش کرنی ہوتی ہے کہ صبح تک اس کو روشن رکھیں۔ اس میں امید کا تیل ڈالتے

رہیں۔

ماں جی بقول۔

سچ دب جاتا ہے مرتا نہیں ہے۔

مجھے ماں جی سے ایک شکایت تھی کہ انہوں نے مجھے دقیانوس انسان بنا دیا۔

براڈ مائنڈڈ ہونا مجھے کبھی نہیں آیا۔

میں تنگ نظر اور نیرو مائنڈڈ انسان بن کر رہ گیا۔

پرانے زمانے کے خیالات اور سوچ کے ساتھ پروان چڑھا۔اکثر مجھے اس بات سے شرمندگی ہوئی۔

کچھ عرصہ پہلے مجھے کسی نے کہا کہ تم دقیانوسی تصوّرات کو پالتے ہو۔

مجھے سچ لگا بہت۔

بدقسمتی سے میری جیب میں سکہ رائج الوقت یعنی جھوٹ خوشامد چاپلوسی کم رہا ہے۔اس لئے میں رشتوں کو معاملوں میں غریب انسان ہوں۔

ابھی کچھ دیر پہلے ماں جی جائے نماز پر بیٹھیں تسبیح پڑھ رہی تھیں تو میرا دل کیا ان سے کہوں کہ جو لالٹین انہوں نے میرے اندر ٹانگ رکھی ہے وہ بجھا دیں۔

لوگ مجھے بیمار زہن کا انسان سمجھتے ہیں۔

لیکن پھر خیال آیا کہ شاید وقت کے ساتھ خود ہی وہ لالٹین بجھ جائے گی۔

اندھیرا جب بہت گہرا ہو جاتا ہے تو ہم اسے ہی روشنی سمجھ لیتے ہیں۔

اور شاید یہی ہوتا ہے اور یہی ہوتا رہے گا!



حال

ڈائری کے بوسیدہ اوراق میں متصل عہد میں کی گئی محبت کی باقیات میں کچھ یادیں مرجھائے خشک پھول، ابھی بھی محبت کی خوشبو دیتے تھے۔

محبت کی کہانیوں میں جدائی کی دھوپ چوڑیوں سے رنگ اڑا دیتی تھی۔ شوخی سنجیدگی کے لبادے اوڑھ لیتی تھی اور قہقہوں سے اشک رستے تھے۔

لیکن یہ پرانی بات تھی۔ گئے زمانوں میں مرد بے وفائی کا لباس تفاخر سے زیب تنتے تھے۔

اب اس فکر بھری دنیا میں عورتوں کا ایک گروہ ایسا پیدا ہوا ہے جو محبت کو جدید فیشن کی طرح بدلتا ہے۔

گویا ایسا ہے کہ محبت ان کے ہونٹوں پر جمی لپ سٹک جیسی ہے تن پر جو لباس بدلا ہونٹوں پر اس کا رنگ بدلا۔ میچنگ نہ ہو تو دیدہ زیب نہیں لگتیں ہیں۔۔ محبت بھی میچنگ ہوئے جا رہی ہے۔

بدلتی ہوئے ہوئے طور طریقوں کے ساتھ محبت بھی بدل گئی۔

بے وفائی کے جراثیم صنفی امتیاز سے برابری کی سطح پر چلے آئے۔۔ شاید نئے زمانے میں مٹنے والے بڑے جذبوں میں ایک نام محبت کا بھی ہے!۔۔



وقت کے بعد

ہم پھر ملیں گے سمے کی گردشوں میں کچھ اور کہانیوں کے ساتھ۔ کچھ اچھے لوگوں کے ساتھ کچھ محبتوں کے ساتھ اور کچھ یادوں کے ساتھ۔۔ پتوں کی چرمراہٹ، یا ہوا کی سنسناہٹ میں، کچھ خوابوں میں ، یا کسی کی اجڑی ہوئی آنکھوں، کسی بیوہ کے آنسوؤں میں یا کسی ماں کی دعاؤں میں۔۔ ہم سب کہیں اور

ملیں گے، میرا انتظار کیجئے گا۔ وقت کی دستکوں ہمیشہ میرے قدموں کی آہٹ سنائی دے گی۔۔ میری کہانیاں ڈائریوں میں محفوظ رہیں گی۔ میں آپ اور آپ اور ہم سب پھر کسی اور جگہ اکھٹے ہوں گے۔ جہاں نفرتیں نہ ہوں گی جہاں کردار مریں گے نہیں جہاں لفظ جھوٹے نہ ہوں گے۔۔۔!!

آپ کی کہانیاں لکھنے والا ایک عام سا شخص جسے نفرتوں نے تھکا دیا۔

پھر ملتے ہیں۔۔۔ ایک کردار کی موت داستان ختم نہیں کرتی اور اس جاری داستان میں ہم پھر ملیں گے۔ ہم پھر ملیں گے پر کب کون جانے!



الوداعی لفظ

ساری چیزیں بہت سے احساس اور ہزاروں کیفیتیں لکھی نہیں جا سکتی ہیں۔۔۔ یہ جو دکھ ہوتا ہے نا اسے بس آنسو بیان کرتے ہیں۔ پوری فصاحت و بلاغت کے ساتھ۔۔ پوری سچائی اور ایمان داری کے ساتھ۔۔ کسی قسم کے کھوٹ سے پاک۔۔۔ سوچ رہا ہوں آنسو کیسے تحریر کروں۔۔ کوفت۔، الجھن، بے زارگی، بے چارگی جیسی کیفیتیں کیسے لکھوں۔۔۔ آج دو تقریباً سال پہلے میں نے فیس بک کو خیر آباد کہا اور پھر یونہی لوٹ آیا۔۔ پر یہ جگہ ہمیشہ سے میرے مزاج کے موافق نہیں رہی ہے۔۔ یہاں منہ پر واہ واہ کرنے والے پیٹھ پیچھے گالیاں دیتے ہیں۔۔۔ دلوں میں زہر اور زبان پر شہد بھرے لفظ اور تعریفیں۔۔۔ میں آٹھ سال سے اس فیس بک کی دنیا میں ہوں۔۔۔ بہت سے خوبصورت چہروں کا مکروہ پن جانتا ہوں بہت ہی اعلیٰ لوگوں کی سچائیاں بھی۔۔۔ اور عام سے لوگوں کی بہت سی خاص محبت بھی۔۔

بہت سے لوگ میری اداسی سے پریشان رہتے ہیں بہت سے لوگوں کو میرا اداس لکھنا پسند نہیں ہے۔۔۔ بہت سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ میں ڈرامہ کرتا ہوں۔۔۔ میرے بارے میں سب لوگوں کی رائے پر میں آمین کہتا ہوں۔۔۔

پر سچ کہوں تو اب میں اس نفرت زدہ ماحول اور جھوٹ کی سرنڈ دیتی فضا میں رینگتا ہوا کیڑا بننے سے اکتا چکا ہوں۔۔ میں لوگوں کے مسائل میں کودنے ان کی کہانیاں سننے سے اکتا چکا ہوں۔۔

میں واہ واہ۔۔ خوب۔۔۔ لاجواب۔۔۔ جیسے اذکار سے نفرت کرنے لگا ہوں۔۔

میں قابل نفرت وجود رکھتا ہوں۔۔۔ آپ نفرت کیجئے۔۔۔

میں آپ کی سچی محبتوں کا مشکور ہوں۔۔۔ انہیں یاد رکھوں گا۔

مجھے جانا ہو گا۔۔۔ اگر سب اچھے ہیں تو میں ہی برا ہوں۔

بہت کچھ لکھنا چاہتا تھا۔۔۔ پر دل نہیں کر رہا۔۔۔ بس آباد رہیں ہمیشہ۔۔

اور اس بار یقین رکھیں کے میں واپس نہیں آؤں گا ان شاءاللہ

اس بار جو میں نے سوچا ہے ۔۔۔ وہ کچھ الگ ہی ہے۔۔۔ ایک راستہ جس پر واپسی ممکن نہیں ہوتی۔۔



روح لفظ

اگر آپ ایسا لکھتے ہیں جو کسی کی روح کو چھو نہیں سکتا۔۔۔ جس کے لفظ سانس نہیں لیتے،، سطریں خواب نہیں دیکھتی ہیں۔۔۔ تو آپ لکھنا چھوڑ دیں۔۔۔ یا اپنی تحریر میں احساس کی روح پھونک دیں۔ کہ آپ کے کہانیوں کے کردار چھوئے جا سکیں۔۔۔ ان کی آنسو قرطاس کو بگھو سکیں۔۔ ان کا غم صفحوں پر شکن ڈالے۔۔ ان کے قہقے سنیں جا سکیں۔۔ اگر وہ کردار لڑکی ہو تو اس کے پاؤں سے بندھی پازیب آپ کے حرفوں میں کھنکتی محسوس ہو۔۔ اگر کردار بوڑھا ہو تو اس کے چہرے کی جھریاں لفظوں سے جھانکیں۔۔ اگر آپ ایسا نہیں لکھ سکتے۔۔۔ تو سوال یہ ہے کہ آپ کیوں لکھ رہے ہیں۔۔ کس کے لئے لکھ رہیں۔۔۔ جو کردار آپ کے لبوں میں دبے سگریٹ پر شعلہ نہیں رکھ سکتا۔۔۔ جو آپ کے ساتھ بیٹھ کر

چائے نہیں پی سکتا۔۔۔وہ کردار پیدا ہی نہ کریں۔۔کیوں کے ایسے کردار کہانیوں میں بھی گھٹ گھٹ کر جیتے ہیں!



پتے

خشک پتے اصل میں ان محبتوں ناموں کا نوحہ کہتے ہیں جن میں لکھے گئے اکثر عہد و پیمانوں کو وقت کا بے رحم کیڑا کھا چکا ہوتا ہے۔
خشک پتوں کو بغور دیکھیں تو ان کی رگوں میں کچھ نا کچھ درخت سے بچھڑ جانے کی اذیت دکھائی ضرور دیتی ہے۔ بچھڑ جانے کا غم بھلا خشک پتوں سے بہتر اور کون جانتا ہو گا!



کچھ دنوں سے میری طبعیت بوجھل ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ گویا میں بنجاروں کے اداس گیتوں کی طرح خلا میں بھٹک رہا ہوں۔یا کسی خانہ بدوش بوڑھے کی بانسری سے نکلی گردش مدام کی دھن ہوں۔۔یا چاندنی رات میں کسی صحرا میں چلنے والے اونٹوں کے گلے میں پہنی کوئی گھنٹی ہوں۔۔۔ ٹن ٹن ٹن۔۔۔افف یہ گہری شبنمی رات اور میری ذات میں پھیلتی تنہائی کا دکھ!



حسین موت

جس وقت آپ یہ تحریر پڑھ رہے ہوں گے تب میں ایک حسین موت مر چکا ہوں گا۔۔میں جانتا ہوں آپ چونکے ہیں اور دل میں تھوڑی سی کھلبلی مچی ہے۔۔یہ بھی ہو سکتا یہ تحریر آپ کے ذہن میں اٹک جائے میرے خیال مین میرا جنازہ کسی چوراہے میں پڑا ہو گا یا پھر کچھ تاریک گلیوں میں کچھ بے زار لوگوں کے کاندھوں پر سوار ہو گا۔۔!!

مجھے بچپن سے ہی ایک حسین موت کی تمنا تھی جب میں جانتا ہی نہیں تھا کے مرنا کسے کہتے ہیں۔مجھے یاد ھے میرے بچپن میں ایک دوست ہوا کرتی تھی جس کے ساتھ ہم مل کر کھیلتے تھے اس کے بالوں کی ہمیشہ دو چوٹیاں بنی ہوتیں تھیں جس کو کھینچ کر ہم بچے اس کو ستاتے تھے۔۔اس لڑکی کا نام کومل تھا ہمارے گاؤں میں جب ہیضہ پھوٹ پڑا تو وہ بھی اس کی لپیٹ میں آگئی اور جب ہم اسے کھیلنے کے لئے بلانے گئے تو وہ نڈھال چارپائی پر پڑھی تھی اور کچھ دیر بعد اس کی ماں کی دلخراش چیخ میں اس کی روح کہیں گم ہوگئی تو میں نے دیکھا کہ اس کی دو چوٹیاں ویسے ہی لہلہا رہی ہیں میں نے زندگی اس پل موت کا ہونا محسوس کیا تھا کومل کے مرنے کے بعد اس پر لوگ روتے رہے اور مجھے وہ منظر بہت جاندار لگا حقیقت کے قریب تر اور شاید اسی دن میرے دل مرنے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔۔

سچ کہوں تو میں مرا نہیں ہوں میں شاعروں کے کلام میں زندہ رہوں گا میں محبت کی بزرگی اور دلوں کے غموں میں زندہ رہوں گا۔۔

حقیقت یہ ھے میں مرا نہیں روح کا جسم سے نکل جانا تو آزادی ھے۔۔موت تو زندگی میں پوشیدہ ھے۔۔۔زندگی ہمیں قسطوں میں مارتی ھے لمحہ بہ لمحہ دھیرے دھیرے۔۔۔

میرے بعد شہنائیاں اور بانسریاں بجانا اور مسرت بھرے نغمے کہنا کے میں سکون کی طرف لوٹ گیا جہاں سے میری ابتداء ہوئی تھی کے ہر شخص کو لوٹ جانا ھے۔۔

مجھے یقین ھے میرے موت پر کچھ اداس تبصرے ہوں کچھ آنکھوں میں بے معنی سے آنسو بھی چلے آئیں گے کہ موت کسی کی بھی ہو انسان کو سوگوار کر دیتی ھے۔۔۔کچھ دنوں مین فراموشی کی آندھی میری یادوں کو اڑا دے گی پر نہیں میں اداس لڑکیوں کی آنکھوں میں زندہ رہوں گا اور دسمبر، کی طویل انتظار بھری شاموں میں میری مہک ہوگی جیسے برستی بارش میں مٹی کی خوشبو ہر سو پھیلی ہوتی ھے۔۔میں اس بچے کی مانند تھا جو آسمان میں قوس قزاح کو دیکھے اور اسے پکڑنے کی کوشش کرے اور پھر رونے

لگے۔۔

اب میری روح موت کے گھونسلے میں سو رہی ھے مزے کی بات یہ تھی کے مجھے گرمیوں میں مرنا پسند نہیں تھا

وہ اس لئے کہ میں جگنیوں اور تتلیوں کے موسم میں بجھنے کی خواہش سے خوف کھاتا تھا۔مجھے تو سرد شاموں میں سے کوئی خاموش سی شام پسند تھی۔جس میں میرے جنازے میں خشک پتے جو چھتریوں میں اٹکے ہوں شرکت کرتے آسمان کہی دن تک میرے غم میں روتا اور گلیاں آں سوئوں سے بھری ہوئی نہروں میں بدل چکی ہوتیں۔پر پتا نہیں کیوں میں اپنے پسند کے موسم کا انتظار کرنے سے محروم رہا۔

میرے ماتم میں درخت برہنا نہ ہوسکے۔۔میرے جنازے پر مردہ پھولوں کی ساری نسلیں شرکت سے محروم کر دیں گئیں،ڈوبتی ہوئی محبتوں کی یاداشاتیں میرے کتبے پر آں سو بہانے سے لاچار ہو چکیں ،آسمان خشک چٹیل صحرا نما ہے۔

لیکن کوئی بات یہ تو طے ہو چکا تھا بہت پہلے صدیوں پہلے جب میری روح تک کا وجود نہیں تھا میں کسی بھی جگہ کسی بھی گوشے میں مجسم نہیں تھا۔میں خداؤں کے خدا کے پاس تھا ایک خیال کی صورت جسے زمانوں بعد روح اور پھر جسم کی صورت دی جاتی۔۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ مجھے وقت کی چاک پر کمال مہارت سے بنایا گیا تھا،بہترین نقش،بہترین سوچ اور ایک اعلیٰ تخلیقی ڈھانچہ جس میں حیرتوں کے سمندر موجزن تھے بنایا گی۔ لیکن انجام میں کہانی ختم ہونے کی طرف اشارہ تھا۔۔میری تصویر کو زمانے کے کیوس پر فانی لینڈ سکیپ کا درجہ حاصلہ۔

زندگی کی کھوڑکیوں میں سے ایک کھڑکی اندھیرے کی طرف تھی اور باقی سب چکا چوند کر دینے والی روشنیوں کی طرف۔۔

خیر ان زندگی سے محروم سانسوں میں جو باقی تشنگی ہے وہ ہمیشہ محبت کے چراواہوں کی پیاس امر

کرتی رہے گی۔۔جب کبھی بارشیں برسیں گیں تو میں آسمان کی چھت پر ٹہلنے نکلوں گا،بنی آدام کو دیکھوں گا اور مجھے یقین ہے میں اپنے شناساؤں کو پہچان لوں گا جو مجھے زندگی کے سفر میں ملے۔

میں حسین موت کی تمنار کھتا تھا لیکن کوئی بات نہیں ہر تمنا تو وہی اچھی جو محروم تکمیل ہی رہے۔۔

مجھے یاد کیجئے گا یاد رکھئے گا کیوں کہ میں اپنے پسند کے موسم سے پہلے خاموشی سے مر چکا ہوں ۔۔میرے خیال میں مجھے یاد رکھنے کے لئے اتنا تو کافی ہی ہو گا کہ میں یعنی کہ میں خود اپنے پسند کے موسم سے پہلے مرچکا ہوں!



بارش میں ڈوبا ہوا ریلوے اسٹیشن طویل جدائی بھری ریلوے لائن اور اس پر بیٹھا بوڑھا انتظار جس کی جھریوں میں الوداع کہنے والوں کی آنکھیں اگی ہوئی ہوتی ہیں۔۔۔!!



ماؤں کے نام

پتا ہے ماں جی ابھی اس دن آپ کا اور آپ جیسی سینکڑوں لاکھوں کروڑوں ماؤں کا دن منایا گیا۔۔

کیسے ناہنجار لوگ ہیں ماں جی جو ایک دن آپ کا مناتے ہیں نامعقول نالائق کہیں کے۔

آپ کی محبت دنوں میں کیا منائی جائے گی یہ تو کروڑوں صدیوں کا سفر ہے۔۔

آپ کی وہ محبت جس کو خدواندنے اپنی محبت کے ساتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

میں اپنے بندوں سے ماں سے ستر گناہ زیادہ محبت کرتا۔۔

کس قدر معتبر ہے آپ کی محبت کس قدر سچی اور خالص جس میں مفاد کی مطلب کی کوئی گندگی شامل نہیں ہوتے ہے۔۔

ماں!

ان چار حرفوں میں جس قدر خالص پن، اور بے پناہ محبت ہے کوئی کیسے بیان کر سکتا۔۔ یہ چار حرف سمندروں سے گہرے اور بلندی میں ہر اونچے مقام سے بلند ہیں۔

ہم تو ایک طرف یہ ساری کائنات آپ کی محبت کی مقروض ہے۔ یہ گردشیں، چمکتے سورج، چاندنی راتیں، دن پر رات کا آنا اور رات کا دن میں ڈوب جانا یہ تو آپ کی دین ہے آپ کی دعا ہے اور آپ کی محبت ہے۔

آپ کی لازوال قربانیوں کا ثمر ہے

آپ کی دعائیں ہماری تقدیر کی سیاہی ہیں۔ وہ ہماری تقدیر مِیں حادثوں کو ختم کرتی ہیں اور عنایتوں کے نا ختم ہونے والے سلسلے دراز کرتی ہیں۔

خلیل جبران نے آپ کو اور سب ماؤں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔

کائنات کا سب سے خوبصورت لفظ ماں ہے اور سب سے خوبصورت پکار، میری ماں جی

اگر جبران نا کہتا تو آج میں یہی کہتا۔

ماں جی مجھے اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہو رہا کہ میں آپ کو لکھ نہیں سکتا آپ کی محبت کو بیان نہیں کر سکتا

مجھے معاف کر دیجیئے گا میں آپ کے شایان شان کوئی ایک حرف تک نہیں لکھ پاتا۔

خداؤں کا خدا رحمت کرے ماؤں پر اور ان سایہ سلامت رکھے ہم پر۔

کیا ہی خوبصورت دل ہے آپ کا۔ کیا ہی وافر محبت ہے۔

آپ کے چہرے کی جھریوں کی قسم ہم آپ کی محبت میں دیا گیا ایک پل تک نہیں واپس لوٹا سکتے ۔ آپ کی قربانیوں کو صلہ تو دور ہم آپ کی ایک لوری تک کا صلہ ادا نہیں کر پا سکتے۔۔۔

لفظ محبت اگر مجسم ہو جائے تو وہ ایک ماں کا روپ ہے۔

ماں جی آپ کی محبتوں کے جواب میں بس ایک لفظ لکھتا ہوں۔۔۔۔اور وہ لفظ ہے۔۔۔ماں جی!



سلوٹ زدہ خواب

میرے خواب اب سلوٹ زدہ ہیں۔جب آنکھیں ان پر چلتی ہیں تو وہ خشک پتوں جیسے چرمراہٹ پیدا کرتے ہیں جو میری آنکھوں میں دور تک پھیلتی چلی جاتی ہے۔۔!



سرگوشی

تمہارے لئے میرے دل سے ایک سرگوشی نکلی تھی۔۔۔پر افسوس اس سرگوشی کو کبھی منزل نا مل سکی!



فرق

تم میں اور مجھ میں لمبی مسافتوں کا سا فرق ہے
تم اپریل کی خوشگوار صبح ہو اور میں جون کی حبس آلود شام۔
تم ساگر کی نرم لہر ہو جو اٹھکلیاں کرتی ہو اور میں ساحل پر پانی کی جھاگ جو قلیل وقت کے لئے ہوتی ہے پس وہ سوکھ جاتی ہے۔۔تم میں اور مجھ میں کتنا فرق ہے گویا تم تبسم ہو اور میں ہوں جیسے اشک جو آنکھوں سے کبھی ادا نہیں ہوتا،
تم بہار ہو جس میں رنگ کائنات کو تسخیر کرتے ہیں اور میں،۔
ہاں میں تو خزاں ہوں جس کے جلو میں تتلیوں اور پھولوں کی فنا ہے۔
کتنا فرق ہے تم میں اور مجھ میں۔

تم مشرق ہو اور میں ہوں مغرب۔اس تمثیل سے جانو کہ تمہارے ماتھے میں ابھرنا اور میری پیشانی میں ڈوبنا طے ہے۔۔

آخر سوچتا ہوں کہ تم میں اور مجھ میں کیا یکساں ہے؟

تو کوئی کہتا ہے۔

تم میں اور مجھ میں بس "جدائی" اور گہری تھکا دینے والی "دوری" یکساں ہے۔۔!!

ہم میں یعنی ہم دونوں میں!



میری ڈائیری کا ایک ورق

آج کافی عرصے بعد اپنے گاؤں کی کھیتوں میں لہلہاتے گندم کے خوشوں میں رزق پکتا ہوا دیکھا اور سنہری یادوں کے حصار میں چلتا چلا گیا۔

دوست سے گاڑی مستعار لیکر دوسرے گئیر میں ڈالے جگجیت سنگھ، غلام محمد، مہدی حسن کی پر سوز آواز کو سنتے ہوئے بلندیوں سے جھانکتے بادلوں کے ساتھ ساتھ چلا۔

برف زاروں سے جھانکتی برف اور سرسبز پتوں کو ہوا کے دوش پر لہراتے ہوئے دیکھا جو کسی ماہر رقاصہ کی طرح شاخوں پر ناچ رہے تھے۔

گاؤں کی اپسراؤں کی شفاف آنکھوں میں خوابوں کو پکتے دیکھا اور دریا کے کنارے پنجاب یونیورسٹی کی۔ طلباء کو خوشی سے چیختے چلاتے ہوئے سنا ان کی چیخوں میں زندگی مسرت بھری ہنسی ہنس رہی تھی۔

ہوٹلز کے بالکونیوں میں ٹورسٹ دریا کی لہروں میں سکون ڈھونڈ رہے تھے اور ایک نو بیاہتا جوڑا بھی دیکھا جو ایک نئے سفر کی شروعات سے مسرور تھا۔۔لڑکی کے حنائی ہاتھوں میں آنے والے کل کی

خوشبو مسکرا رہی تھی اور لڑکا جسے دیکھ کر میرا دل کیا کہ سر پیٹ لوں۔ لڑکے کا نہیں اپنا سر۔۔ 😄

پر ایک سچائی جو میں نے جانی کے ظاہر کی خوبصورتی کبھی کوئی معانی نہیں رکھتی

کسی کو بھی خوبصورت ہمارے دل میں پلتے ہوئی جذبے بناتے ہیں۔ تو کیا ہوا جو بظاہر کوئی خوبصورت نہیں ہوتا۔

میں نے زندگی کو ایک نئی نظر سے دیکھا اور جانا کہ امید ہمارے اندر سے ابھرتی ہے۔

رنگ اندر سے ذات پر اترے تو کبھی اترتا نہیں ہے۔

خوبصورت مناظروں سے خدا جھانکتا ہے۔ بہتی ندی۔ فلک بوس پہاڑیاں گہری جھیلیں اڑتے پرندے سرسبز کھیت پھولوں سے سجی کیاریاں خدا کو پہچاننے کا ذریعہ ہیں۔

میں نے اپنی مرجھائی ہوئی روح سے سکون کا ہونا محسوس کیا۔

بلندی سے گرتے ہوئے جھرنوں کے پاس بیٹھے ہوئے میں نے ان روٹھے ہوئے لوگوں کو کال کی جو میرے سرد انداز سے خفا تھے

میری کال پر ان کے لہجے میں بہت ساری خوشگواریت اتری تھی شاید ہم سب ہی کسی دوست کے اچانک مل جانے کی خوشی کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

زندگی کی مصیبتیں تلخ کر دیتی ہیں لیکن شاید خوشی کے ہونے کا انکار ممکن نہیں ہے۔

نفرت زیادہ ہے تو کیا ہوا دنیا میں محبت بھی موجود ہے جو انمٹ نقش دیتی ہے

محبتوں کے پیامبر نفرت کو بھی محبت کر دیتے ہیں۔

میں نے سانس کا آنا غنیمت جانا اور روح کو بالیدگی سے سرشار پایا۔۔ آج کا دن کافی اچھا گزرا میں اداسی کی گہری چھاؤں سے خوشی کی نرم دھوپ میں چلا۔۔۔

شاید میں بدل رہا ہوں

بہت ساری تصویروں میں سے ایک تصویر لگا رہا ہوں جو مجھے پسند آئی۔

پرندوں کے ساتھ میں بھی اب گھر لوٹ رہا ہوں۔۔!



خواہش

سناٹوں کے گہری چاپ، اور گہری ہوتی خاموشیوں کے درمیان، یا وقت کے سمندر میں کسی دور دراز کے جزیرے پر جہاں تمہاری یاد کی لہریں پوری شدت سے تمہارے ساتھ گزرے گئے لمحوں کے طویل ساحلوں سے ٹکرائیں۔

ہاں وہاں مجھے وہاں ہی کہیں دفنا دینا۔

میں تمہاری آہٹوں کو ہمیشہ سنوں گا۔ تمہاری سرگوشیوں کو ہوا جب اڑا کر مجھ تک لائے گی میں تنہائی کے دامن سے لپٹ کر ان میں، چھپی تمہاری ان فریادوں کو محسوس کروں گا۔

جب اندھیرا گہرا ہو جائے گا اور وقت تیزی سے گزر جائے گا تب میں تمہارے دور جاتے قدموں کے نشانوں میں ہجر کے ساعتیں گنوں گا۔

میرے خواب ہمیشہ تمہاری آنکھوں میں سانس لیں گے، تمہاری پیشانی پر الوداعی بوسہ ہمیشہ تپش دیتا رہے گا۔

چند پل جو تمہاری رفاقت میں بسر ہوئے وہی حاصل سمجھ کر ہمیشہ لاحاصل زندگی کی پرچھائیوں میں پر اسرار سائیوں کو شمار کروں گا!



بھٹکی آنکھیں

کچھ خواب ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بعد آنکھیں گم شدہ ہو جاتی ہیں۔

اور وہ کچھ خواب پتا ہے کون سے ہوتے ہیں؟

وہ خواب جو خواب ہو جاتے ہیں۔

اور آنکھیں ان گمشدہ خوابوں کی تلاش میں بھٹک جاتی ہیں!



سرگوشی

راستہ بھولی بھٹکی ہوئی آنکھیں، جن میں منزل پریشان کھڑی ہوتی ہے،

لمبی مسافتیں جن پر کوئی نہیں ملتا جو جانے ذات کا دکھ۔

تنہائیوں میں گرا ہوا وجود جس کے گرد غول در غول لوگ پھرتے ہیں۔

یہ ایسا ہی جیسے شہر کے بیچ قبرستان ہو جس کے دروازے سے اندر خاموشی اور باہر قیامت کا شور ہو

۔

کون خوشی سے غم کو خریدتا ہے، کون ہے جو چاک پر چاک ہونے کا ہنر جانتا ہے؟

یہ تو وقت کی دین ہے جب چاہے آپ کو ہنسا دے جب چاہے آنسوؤں کا گاہک بنا دے۔

تم اور میں اور ہم سب جو پڑھ رہے جو سن رہے جو ہمارے بعد پڑھیں گے یا ہمارے بعد سنیں

گے۔

وہ جان لیں کہ ہم تم سے نہیں آنے والے کل سے مخاطب ہیں۔

وہ کل جس میں ہم نہیں ہوں گے۔

ہمارا مخاطب ابھی سویا ہوا ہے۔ وہ جلد جاگے۔

وقت کی سیمائیں وقت کے ساتھ بدلتی ہیں۔

وقت سے وقت کا تک سفر ہے۔

جو کرنا ہے۔ جو ہم سب کر رہے ہیں!



خط

میں وہ خط ہوں جس کی عبارتیں تھک گئی ہیں۔

جو لکھا تو مکمل گیا تھا لیکن کبھی پوسٹ نہیں کیا گیا۔ جس کے لفافے پر پتا نہیں ہے، جو بوڑھے پوسٹ ماسٹر کی ٹیبل پر پڑا مہروں کی کھٹ کھٹ سے اکتا گیا ہے۔

جو کسی بے چین انگلیوں کے لمس کو سوچتے ہوئے

اپنے چاک ہونے کا انتظار کرتا ہے!



آخری گفتگو

مجھے لگتا ہے شاید میں مزید نا لکھ سکوں۔ میرے اعصاب آپ کی کہانیوں کا مزید بوجھ اٹھانے سے قاصر ہیں۔

میں نے آخری حد تک کوشش کی آپ کی ذات کا دکھ لکھ سکوں آپ کی تنہائیوں کو بانٹ سکوں آپ کے جذبوں کو اظہار دے سکوں۔

پر یقین کیجئے میں تھک گیا۔

میں مزید نہیں سن پاؤں گا۔

میں آپ کی کہانیوں میں اپنا کردار نبھاتے نبھاتے اکتا گیا۔ خود سے اکتا گیا۔

میں ایک لمبے عرصے پر محیط خاموشی چاہتا ہوں ایک نا ختم ہونے والی تنہائی جو میرے منتشر ٹوٹے ہوئے اعصاب کو یکجا کر سکے۔

کیسا لگتا جب آپ کسی اور کی کہانی میں محض ضمنی کردار نبھائیں محض ایک ضرورت بن کر؟؟۔

یہ کافی تکلیف دہ ہوتا ہے۔

میں آپ کے آنسو بہاتے بہاتے بینائی کھو دوں گا۔

میں مزید آپ کے استعمال کے قابل نہیں رہا ہوں۔مجھے پھینک دیجئے۔

مجھے وقت کے ڈسٹ بنڈ کی نظر کیجیے اور بھول جایئے۔

میں نے حتی الواسع کوشش کی کی ہر ایک کو سنوں اور پھر لکھوں۔

میں نے سنا بھی اور لکھا بھی۔

میری وال پر آپ ہی کی کہانیاں چسپاں ہیں

پر اب اور نہیں

میں سامع بنتے بنتے گویائی سے محروم ہونے لگا ہوں۔

میں اور سہہ نہیں پاؤں گا میں مزید لکھ نہیں سکتا۔

آخر کب تک میں آپ کی داستان کے کچھ صفحات بن کر جیتا رہوں گا؟

میں کچھ دیر کا منتظر ہوتے ہوتے خود ہی غائب ہو گیا ہوں۔

میرا وجود ہی نہیں رہا۔

میں چند دن کا تعلق اور پھر ایک بے معنی جدائی اور یاد کے کوڑے دان کا لمحہ بن جاتا ہوں۔

میں کچھ پل کا ہمسفر بن کر جیتے جیتے آپ کی کہانی میں اپنا وجود دھونڈتے ڈھونڈتے لاوجود ہو گیا ہو گیا ہوں۔

شاید میری اس وقت کی کیفیت آپ سمجھ نا سکیں

اور نا میں سمجھا سکوں۔

اس لئے۔

یہ میرے آخری کچھ حرف تھے اب اور نہیں بس۔



رائگاں سی دھول

اس نے مجھے کہانی سنائی آہوں اور سسکیوں سے بھرپور لمبی انتظار بھری سرگوشیوں اور بے حسی کی جلتے ہوئے تندور میں جلے ہوئے جذبات کی کہانی۔

شاید وہ مجھ سے بات کرنے سے پہلے روئی تھی بے تحاشہ روئی تھی۔

اس کی آواز نے کمیونیکیشن کے سارے نظام کو نم کر دیا تھا۔

مجھے ساون یاد آیا جو ٹوٹ کر برستا تھا اور سورج کی رشنیاں اس کی نمی کو جذب کرنے میں ناکام ہو جاتی تھیں۔

مجھے کیا کرنا چاہیے عبد اللہ؟

انجام میں اس نے سوال پوچھا تھا۔

میرے لئے یہ کہانی نئی نہیں تھی۔

محبت کی کوئی بھی کہانی نئی نہیں ہوتی ہے صدیوں سے اس کہانی میں وہی دو کردار بخوبی اپنا رول نبھاتے آ رہے ہیں۔

مجھے اس کی نم آلود گفتگو میں دکھ ملے درد ملے سخت اذیت بھرے لمحے اور تھکا دینے والے صبر کے لاشے ملے۔

پر مجھے اس کہانی میں محبت نا ملی۔

عورت زندگی میں کئی بار جسے محبت سمجھتی ہے وہ محبت نہیں ہوتی۔ محبت آفاقی جذبہ ہے اگر محبت

کسی پتھر سے ہو جائے تو اتنی طاقت رکھتی ہے کے اسے چھونے کا اور ہونے کا احساس بخش دے۔

اس نے قربانیوں کا ذکر کیا جو کسی مقدس فرض کی طرح ادا کی گئیں تھیں۔

اس نے کہا میں روٹی کھاتے ہوئے اس کی کال یا میسج پر نوالہ ادھر ہی چھوڑ دیتی ہے۔

مجھے احساس ہوا کہ میں بھوک سے نڈھال پیٹ کی لمبی آنت کا درد محسوس کر سکتا ہوں۔

میں پہروں اس کے سامنے روئی اور اس نے سینکڑوں بار کال کاٹ دی

وہ کہہ رہی تھی۔

مجھے لگا جیسے موصلاتی نظام میں کبھی کبھی جو شور ہوتا ہے وہ اس جیسی سینکڑوں لڑکیوں کی ان ادھوری ان سنی سسکیوں کا درد ہوتا ہے جو کال کٹ جانے سے نڈھال ہو کر چیخ کی صورت میں تاروں اور فضا میں پھیلی ریڈائی لہروں میں منجمد ہو جاتی ہیں۔

تم جذبات لکھتے ہو عبداللہ کیا تم لکھو گے؟

درد لکھے نہیں جاتے ہیں درد تحریر کی قید سے آزاد ہوتے ہیں۔ کھلے ہوئے زخم میں پھیلا ہوا درد کون لکھ سکتا ہے؟

احساس کی ٹوٹے ہوئے رشتوں کو ایک ساتھ جڑے جملے مکمل نہیں کر پاتے ہیں۔

مجھے سمجھ نہیں آیا تھا کہ میں کیا لکھوں گا۔

ایسی کہانیاں مجھے اندر تک دکھ سے بھر دیتی ہیں۔

چڑھتے ہوئے سورج رات کی تاریکیوں کا غم نہیں جانتے ہیں۔ ساحل روتی موجوں کی سسکیاں کہاں سنتے ہیں؟

پر بات اتنی سی تھی۔

زندگی میں ہم ناکام اس لئے ہو جاتے ہیں کہ ہم اس ان رشتوں کو بھول جاتے ہیں جو ہمارے

ہوتے ہیں۔

ہم ماں باپ بہن بھائیوں کے لئے قربانی نہیں دیتے۔

تب خدا ہمیں کسی بے حس کے ہاتھوں توڑ دیتا ہے۔

شاید میں اس کہانی کو پھر لکھوں

جس میں بہت کچھ لکھنے کو ہے۔

کیا میں غلط ہوں عبداللہ؟

اس کا سوال میرے کانوں پر اب بھی دستک دے رہا ہے۔

اس سوال پر مجھے لگا جیسے

گاؤں میں بیٹھا بچہ ماں سے پوچھے

اماں دوسرے گاؤں میں میلا کب ہو گا؟

یا وہ بوڑھا کسان جو کھیت میں بوائی کرنے کے بعد ٹوٹے ہوئے ریڈیو سے کان لگائے بارش ہونے کی خبر ڈھونڈ رہا ہو۔

انتظار بھرا سوال اور شوق۔

بے حسی کے سمندر میں چھوٹی سی احساس کی ناؤ جلد ڈوب جاتی ہے اور سطح آب پر کچھ سوال اور حسرتیں بے معنی بلبلوں کی طرح کچھ دیر رہنے کے بعد ہمیشہ کے لئے مٹ جاتے ہیں۔

میں اس پر پھر لکھوں گا

یہ تو محض سفر کی گرد جھاڑ رہا ہوں۔

رائگاں سی دھول جو راستوں سے لپٹی ہوئی قافلوں کا انتظار کرتی ہے ان کو اپنی طرف بلاتی ہے اور پھر تھک کر واپس خاک میں مل جاتی ہے!!



واردات قلبی

میں ایک مضطرب مزاج شخص ہوں۔رباب کی تاروں جیسا جو ہر آن کوئی نغمہ پھیلانے کی جستجو میں رہتی ہیں۔

میں اپنی معنویت کی کھوج میں ہوں، خود اپنے لئے ایک راز ہوں یا وقت کے دماغ پر اک پہیلی، میں متنوع مزاج شخص ہوں بیک وقت خوش بھی اور اداس بھی، شانت بھی اور بے چین بھی۔

میں کائنات کے بے کراں سمندر میں ایک قطرہ ہوں اور اسی لمحے پورا سمندر بھی ہوں

ایک شوریدہ مزاج لہر ہوں جو ساحلوں سے اکثر ہم کلام رہتی ہے۔

میں کسی کھوئی ہوئی چیز کی جستجو میں ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کھوئی ہوئی شے آخر ہے کیا؟

میں اعلیٰ درجے کا رومان پسند انسان ہوں فطرت کے رنگوں اور اس کی ساری دلکشیوں کو اپنے اندر جذب کرلیتا ہوں پیاسی مٹی کی طرح جو پانی کی بوندوں کو اپنے وجود میں سمیٹ لیتی ہیں۔

میرے اندر محبت دبے پاؤں چلتی ہے جیسے کوئی گل پوش ہو پاؤں میں پازیب اور کھنک جو روح کو شادمان کرتی ہے اور ایسے میں دل کرتا ہے کہ میں فرط کیف سے چیخ اٹھوں۔میری رومانی وارفتگی مجھے حسن پرستی کی طرف مائل کرتی ہے اور سارے رومانی عناصر مل کر میرے جذبات کو تشکیل دیتے ہیں۔

میں منتظر دیدار رہتا ہوں، کسی قرمزی بادل کا، کسی آتشی کرن کا، کسی گرتے ہوئے جھرنے یا پہاڑوں میں گری کسی جھیل کا۔

یا کسی حسین کا جو کائنات کا سارے رومانی مناظر کو اک جنبش بے پروا میں سمیٹ کر مجھے صاحب نظارہ کر دے۔

شاید میرے اندر میری اپنی ذات اور پہچان ایک دوسرے سے دست و گریبان ہیں۔ میں خود

اپنے آپ سے متفکر ہوں۔

میں حزن اور ملال بھی ہوں اور باغ میں چہکتی بلبل کا نغمہ بھی ہوں،۔۔۔

کبھی مجھے لگتا ہے جیسے میں بہار کی جیب میں پڑھی ہوئی کوئی خزاں ہوں جسے وہ بھول بیٹھی ہے۔

میری فطرت خود میری ہی سمجھ سے باہر ہے میں مجسم احساس ہوں یا راستے کا کوئی پتھر۔مجھے خود اپنی پہچان کا مسئلہ درپیش ہے۔

مجھے احساس کہ میں اپنی عمر سے لمبی چھلانگ لگا بیٹھا ہوں اور اب فضا میں معلق ہوں ایک کہرناک دھند کی لپیٹ میں جس کے انتہا دکھائی نہیں دیتی۔

میں کیا ہوں۔۔۔؟

ہوں یا نہیں ہوں؟۔۔۔ہوں تو کہاں ہوں؟ اگر نہیں ہوں تو کیوں نہیں ہوں؟

رات دم سادھے کھڑی ہے۔تاریکی خاموشی سے کائنات کے کناروں سے بوند بوند خلا میں گرتی جارہی ہے اور میں پریشان ہوں۔

اداس ہوں بہت زیادہ اداس ہوں،

میرے اندر کی گرہ مضبوط ہے اور میری انگلیاں اپنی ناتوانی کا گلہ کر رہی ہیں۔

مجھے جستجو ہے کسی خاص کی جو مجھے مجھ پر فاش کر دے۔

سفر جاری ہے، منزلیں گریزاں ہیں،

آہ یہ یاس بھری رات اور تنہائی کا بڑھتا ہوا غم!



معصومیت

جانی یہ لڑکیاں بھی عجیب ہوتی ہیں ان سے اقرار محبت کیا جائے تو آگے سے پوچھتی ہیں

آپ مجھ سے کیوں محبت کرتے ہیں۔۔؟

ہائیں۔۔۔،

اب بھلا اس سوال کا جواب کوئی کیا دے گا؟

کیا کسی کو بتانا اتنا آسان ہے کہ آپ کیوں اسے چاہتے ہیں۔؟

خیر۔

ساری باتوں کو چھوڑو اس سوال کی خوبصورتی پر غور کرو۔

یہ ناقابل جواب ہی سہی پر سمجھو تو یہ

سوال ان کی حد درجہ معصومیت کا بہترین عکس ہوتا ہے!



آپ کی کہانی

جب کبھی میں کہانی کے بارے میں سوچتا ہوں اور چاہتا ہوں کہانی کی شکل دیکھوں تو میرے دماغ میں بہت ساری تصوریں ابھرتی ہیں۔

مجھے دریائے کنہار کا ایک پتھر یاد آتا ہے جس پر ایک لڑکی تصویر کے لئے پوز دے رہی ہوتی سوات سے آئی ہوئی وہ لڑکی گندم کے پکے ہوئے خوشے جیسی تھی سنہری خوشبودار جس کی آنکھوں میں غیر معمولی چمک اور لہجے میں مسرت بھری کھنک تھی۔

میں اکثر و بیشتر دریا کے کنارے بیٹھتا ہوں بہتے پانی کا شور روح تک اتر کر ٹھنڈک کا احساس پیدا کرتا ہے۔

جب میں اس کی تصویر نکال کر اس کا کیمرا واپس تھماتا ہوں تب وہ ہولے سے شکریہ کہتی ہوئی چلی جاتی ہے۔

کہانی مجھے اس لڑکی جیسی لگتی ہے کلائی پر بریسلٹ ڈالے کانوں میں ٹاپس اور گلے میں مفلر لپیٹے پوز دیتی ہوئی۔۔

میں چاہتا ہوں کہانی کو ایسے لکھا جائے کہ وہ شکریہ ادا کرے جب وہ قلم سے ادا ہو تو خوشی محسوس کرے۔

کہانی کو سامنے بیٹھا کر اس سے پوچھ کر اسے لکھنا کافی مزے دار عمل ہے۔

کہانی بس کہانی نہیں ہوتی۔

کہانی دیس دیس گھومتی پھرتی ہے۔ندیوں سے پانی پیتی ہے کھیتوں سے چرتی ہے ہواؤں میں اڑتی ہے۔

وہ چائے میں چینی کی کمی کی شکایت بھی کرتی ہے اور سگریٹ میں ناقص تمباکو ہونے کا گلہ بھی۔

کہانی لکھنا کسی خوبصورت منظر کو دیکھنے جیسا یا پھر کسی خوبرو کو بولتے۔۔سننے جیسا عمل۔۔۔

یا میں اس کے لطف کو محبوبہ کے پہلے طویل جذبات انگیز بوسے جتنا لطیف کہہ سکتا ہوں۔

کہانی چھوئی جاسکتی ہے وہ اپنا الگ مکمل وجود رکھتی ہے لیکن اسے چھونے کے لئے احساس کی نازک انگلیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔۔

ہمارے اکثر جذبے گونگے ہوتے ہیں اور الفاظ ان کو گویائی بخش دیتے ہیں۔کہانیاں آپ کے ان جذبوں کو اپنے پروں تلے سمیٹ لیتی ہیں۔

کہانیاں آپ کی ان کہی باتوں کو کہتی ہیں۔

آپ کی آنکھوں میں جمے آنسو بہاتی ہیں۔

آپ کو ان کہانیوں کا ہمیشہ احسان مند ہونا چاہیے جو آپ اپنی زبانی آپ کو اپنی کہانی سناتی ہیں۔

ہم سب زندگی کی لمبی مسافتوں میں ان کہی باتوں کا بوجھ اٹھائے چلتے ہیں۔ رشتوں میں بڑھتی ہوئی دوریاں ہمیں ان باتوں کو کہنے کی کبھی اجازت نہیں دیتی ہیں جو ہم کہنا چاہتے ہیں۔ ہم سب ہوتے تو ایک ساتھ ہیں، ایک ہی چھت تلے ایک ہی شہر میں۔۔ ہم ایک دوسرے باتیں بھی کرتے ہیں پر وہ باتیں بہت رسمی ہوتی ہیں۔

ہم میں صدیوں جتنے طویل فاصلے ہوتے ہیں ایک ہی بیڈ پر سوئے ہوئے میاں بیوی دریا کے دو کنارے بن جاتے ہیں، ایک ہی بینچ پر بیٹھے کلاس فیلو بہت دور ہوتے ہیں۔ ماں باپ اولاد کو روزانا دیکھتے ہیں لیکن اس دوری کو دیکھ نہیں ہوتے جو ان کے بیچ ہوتی ہے

تیز رفتا زندگی نے سب ختم کر دیا۔

رشتوں سے احساس اڑ گئے۔ گھر سیمنٹ اور ریت ہو گئے۔

ایسے میں آپ ناول کہانی افسانہ پڑھ کر اپنی ان کہی باتیں کہتے ہیں۔

پتا نہیں میں آج میں کیا لکھنا چاہ رہا اور کیا لکھ رہا۔

شاید یہی ہماری کہانی ہے ہم سب کی کہانی ہے۔

تھکے ہوئے لوگوں کی۔ رشتوں اور محبتوں کے دور چلے جانے کی۔!!!



عورت اک رعنائی خیال

جانی سنا ہے آج عورت کا دن منا رہے ہیں۔

عورت کو یقین دلا رہے ہیں کہ وہ بہت پہلے سے عورت ہے اور بہت بعد میں بھی عورت رہے گی۔

جانی جب میں لفظ عورت سنتا ہوں تو سارے وجود میں گدگدی سی ہونے لگتی ہے میرا اندر خوشبو

سے بھر جاتا ہے۔

جانی۔!

اب تم غلط نا سوچو بات پوری کرنے دو۔

سارے معاشرے کی طرح تم بھی اس عادت بد کا شکار ہونے لگے ہو کہ ادھوری بات کو ہی نچوڑنے بیٹھ جاتے ہو اپنی مرضی کا رس کشید کرتے ہو پھر لتاڑنے لگتے ہو۔

بات یہ ہے کہ میں عورت کو کائنات کا سب سے حسین نغمہ مانتا ہوں سب حسین راگ سب سے دلفریب منظر یہی عورت ہے۔

کوئی راگ، رُت، منظر، رنگ اور سحر کو ایک ساتھ دیکھنا چاہتا ہے تو میں کہتا ہوں عورت کو دیکھ لے۔

پر جانی دکھ کی بات ہے یہ ہے کوئی عورت کو دیکھنے کا خوگر نہیں ہے۔

سب اسے "تاڑتے" ہیں میری مانو تو کبھی عورت کو تاڑو مت۔ یہ ظلم عظیم ہے کہ فطرت کی سب سے حسین تخلیق کو ہم یوں تاڑیں۔

اگر تم دیکھنا چاہتے ہو۔ جو کہ تم دیکھنا چاہتے ہو۔

تو ہمیشہ دیکھو تمہیں عورت کی گنگناہٹ سنائی دے گی۔

کیا کہتے ہو۔۔۔؟

ہاں ہاں ٹھیک ہی کہتے ہو کچھ عورتیں دیکھی نہیں جاتی ہیں وہ تو تاڑی جاتی ہیں۔

آج کی عورت نے جتنا نقصان اپنا کیا ہے وہ کسی دور کی کسی بھی عورت نے نہیں کیا ہو گا۔

خود کو عام کر دیا۔ بلکہ یوں کہوں کہ "آم" کر دیا جو ریڑھی پر سجا ہر ایک کا جی للچائے ہوئے ہو۔

عورت کی تقدس اور حرمت کہاں کھو گئی جانے۔

خیر یہ زہر خند باتیں کسی اور وقت پر اٹھا رکھو۔ زبان پر قابو رکھو آج ہم عورت کو خراج تحسین پیش کرنے بیٹھے ہیں تم یہ نامعقول باتوں کا پٹارہ بند ہی رکھو تو اچھا ہو گا۔

مجھے سنو آج میں کہنے کی حسرت کو کہہ رہا ہوں تم سننے کی تکلیف دہ حرکت کو جاری رکھو۔

تو میں کہہ رہا تھا آج عورت کا دن ہے۔

سچ کیوں تو عورت دنوں مہینوں سالوں منانے کی چیز نہیں ہے۔۔اب تم کہو گے عورت کو چیز کہہ کر میں کون سا نیک کام کر رہا ہوں۔

تمہاری بات بجا ہے عورت کوئی چیز نہیں ہے عورت تو مجسم احساس ہے روشن جذبہ ہے اور مکمل تحریک ہے۔

تحریک سے یاد آیا کہ بابا آدم کو جنت سے نکالنے کی تحریک اور دنیا کی پہلی تحریک بھی یہی عورت ہے۔۔

دیکھو اب تم مجھے گمراہ کر رہے ہو آج خراج عقیدت میں یہ شیطانیاں نا کرو وسوسے نا ڈالو۔

مجھے کہنے دو عورت امانت ہے دیانت۔

یہ دنوں سالوں اور صدیوں سے منائی جا رہی ہے اور منائی جاتی رہے گی۔ میں ایک دن کا بھونڈا مزاق نہیں کر سکتا ہوں۔

مجھے عورت پسند ہے۔ میں برملا کہتا ہوں کہ مجھے عورت سے محبت ہے۔ بہت زیادہ محبت ہے بھلا کیوں نا ہو؟

آخر دنیا میں چاہے جانے کے لئے ایک عورت کے سوا اور ہے ہی کیا؟۔

کچھ بھی نہیں۔ تھکن سے ٹوٹا ہوا بدن عورت کی ایک مسکراہٹ سے توانائی کا طوفان اٹھا دیتا۔

ماں کا سر پر ہاتھ پہاڑوں سے لڑا دیتا ہے۔

بہن کی بے لوث محبت خدا کی محبت ہے۔

بیٹی ہے تو خدا بازو بن رہا ہے۔

اس لئے تم سنو کہ مجھے عورت سے محبت ہے نہیں سن سکتے تو کان بند کرو اور پھر سنو۔

آج کی یہ گفتگو عورت کے لئے ہے کیوں عورت جہاں ہے اس جہان میں آباد ایک دوسرا جہان ایک مکمل جہان۔

جو میں کہنا چاہتا ہوں ٹھیک سے کہہ نہیں پا رہا ہوں اور ستم دیکھو کہ تم بھی ٹھیک سے سن نہیں پا رہے ہو۔

میری زندگی کا رعنائی خیال یہی عورت ہے۔

جانی سنا ہے عورت کو کوئی بوجھ نہیں سکتا وہ دنیا کا واحد راز ہے جو آشکار نہیں کیا جا سکتا۔

میں کہتا ہوں ایسی کیا افتاد آن پڑتی کہ عورت کو بوجھنے اور آشکار کرنے جیسی حماقت کرنے لگتے لوگ۔

پتا نہیں وہ کس قماش کے لوگ ہوتے جو ایسی نا معقولانہ حرکات کے موجب ہوتے۔

عورت سمجھ بوجھ۔ فہم و فراست جیسے ہتھکنڈوں سے بوجھی نہیں جاتی ہے۔

عورت کو سنو۔ چاہو اور چاہتے چلو جاؤ۔

بھول جاؤ کہ عورت آشکار ہو گی۔

تم پردے اٹھاتے اٹھاتے تھک جاؤ گے لیکن پردے نکلنے کا عمل تسلسل سے وقوع پذیر ہوتا رہے گا۔

بات لمبی ہوتی جا رہی۔

پر کیا کروں اب اس قدر حسین خیال پر لکھنا اس بات کی اجازت نہیں دے رہا کہ میں اختتام

لکھوں یا اختصار سے لکھوں۔

پر اب جبکہ بہت کچھ لکھ کر بھی کچھ نہیں لکھ سکا تو سوچتا ہوں آخری بات کہہ ہی ڈالوں۔

عورت محبت ہے، مجھے اس لئے اس سے محبت ہے اور جب تک پسلیوں میں دل کی جگہ دل رہے گا تب تک میں لکھتا رہوں گا۔

مجھے عورت سے محبت ہے۔ مجھے اس کے ہر رنگ ہر روپ، ہر ادا ہر خیال، ہر احساس، ہر خواب، ہر لفظ ہر خوشبو ہر اظہار ہر اقرار، ہر انکار سے محبت ہے۔

تم جو سمجھو جو کہو پر سنو۔

عورت سچ میں محبت ہے!



قرار گمشدہ

رات کی تاریکی کائنات پر غالب آچکی ہے نسیم شب الہڑ مٹیار کی طرح درختوں پر سوئے پتوں سے چھیڑ خانی کر رہی ہے۔

چاند آسمان کی گہرائیوں میں تیرے جارہا ہے اور تارے اس کی رفاقت میں مسکرائے جا رہے ہیں۔

چاندنی اور رات ایک دوسرے سے یوں گلے مل رہے ہیں جیسے مدتوں بعد محبوبہ محبوب سے ملے۔

آہ یہ رات کی تاریکیاں اور سینے میں قید اداس سا دل۔

جو خوشی کے لمحوں میں اداسی کی پرچھائیوں کو دیکھتا ہے۔

خود بھی غم کھاتا ہے مجھے بھی غم زدہ کرتا ہے۔

افففف یہ بڑھتی ہوئی اداسیاں جو رات کی طرح گہری ہوتی چلی جاتی ہیں اور دل میں یادوں کی

ہوائیں سائیں سائیں کرتی ہیں۔

یہ میرا دل ہے کہ غول سے جدا "کونج" جو مرجھائی ہوئی کسی جھیل کے کنارے بیٹھی ہو۔

۔

اے رات کی بڑھتی ہوئی تنہائیو ایسا ہے کیا ہے تم میں کہ روح کے کھرب کو دستک دی کر جگا دیتی ہو؟

اے میرے گمشدہ قرار تو لوٹ آ۔

اب اور اپنی جستجو میں پریشان نا کر

اے وقت۔۔۔۔۔مجھے بھول جا،

اب اور گردش ایام میرے نام نا کر!



تل

کائنات پھیل رہی ہے ہر ایک جہاں کے بعد ایک اور جہاں آباد ہو رہا۔ان سارے جہانوں میں ایک میرا جہاں بھی ہے جو تمہارے داہنے گال کے " ڈمپل" کے بھنور میں تیرتے ننھے سے تل میں ہے۔۔



لڑکیاں

میں لڑکیوں کو خوش قسمت تصور کرتا ہوں وہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں ڈھونڈ لیتی ہیں۔ہنستی ہیں تو کھل کر ہنستی ہیں روتی ہیں تو بارش کی طرح برستی ہیں اندر باہر دھو لیتی ہیں۔

تبھی وہ ہلکی پھلکی رہتی ہیں اوس کے قطروں کی طرح یا دھنک کے رنگوں کی طرح۔

جب آنسو بہتے نہیں تو انسان بھاری ہو جاتا آنسو بہت وزنی ہوتے یہ آپ کو کچل دیتے اندر ہی اندر پیستے رہتے۔

خوش رہنے کی صلاحیت یا چھوٹی چھوٹی باتوں کو جینا لڑکیوں کو ہی آتا شاید خدا کی یہ عطا ہر کسی پر تقسیم نہیں ہوئی ہے!



معصوم لڑکی

خوابوں کی تتلیوں کے پیچھے بھاگنے والی اس معصوم سی لڑکی نے کل شب خودکشی کر لی۔

جب اس نے جانا کہ جگنوؤں کے دیس میں بڑی سیاحی ہے بڑی تاریکی ہے!



خاموشی بھرا تعلق

تمہارا اور میرا تعلق "خاموشی" جیسا تھا۔

تم کہتی تھی میں بولتا نہیں ہوں چُپ چُپ رہتا ہوں اکثر تمہاری لمبی لمبی باتوں پر میں میں دیر تک جواب دیتا تھا میں مسلسل بولتا رہتا تھا پر تم تک بس میری "ہوں ہاں" جاتی تھی میرے الفاظ میرے کہے گئے سارے بول فضا نگل لیتی تھی۔

تمہیں یاد ہے کتنا غصہ ہوتی تھی؟

میں سمجھتا تھا تمہیں شکایت ہوتی تھی کہ میں تم پر توجہ نہیں دیتا ہوں،

ایسا نہیں تھا میری توجہ کبھی تم سے بھٹکی نہیں تھی جب تم باتیں کرتی تھیں تو ہر جملے میں کتنے لفظ کہتی تھی اور ان لفظوں میں جتنے حرف ہوتے تھے میں دھیان سے گنتا تھا،

جب تم سنور کر پوچھتی تھی کیسی لگ رہی ہوں میں؟

تب میں کتابیں لکھتا تھا۔، تمہارے کپڑوں تمہارے گالوں کی چمکتی لالی کو شفق کے رنگ تحریر کرتا تھا،

پر تم تک جاتے ہوئے سارے رنگ تحلیل ہو جاتے تھے۔تب تمہارا غصہ بجا ہوتا تھا۔

تم کہتی تھی مجھے چوڑیاں لا دو۔۔؟

کیسے لا دیتا، مجھے چوڑیوں کی نزاکت سے خوف آتا تھا کانچ جلد ٹوٹ جاتا ہے اور خراش گہری دے جاتا ہے

تمہیں لگتا تھا میں چوڑیاں لانا بھول جاتا تھا۔

کبھی آتی اور دیکھتی میرے کمرے میں تمہاری پسند کی رنگ برنگی چوڑیاں ساری وہاں ہی تو ہوتی تھیں۔

تم نہیں سمجھو گی میں چوڑیوں سے کیوں ڈرتا تھا،

بارشوں میں جب تم مجھے بلاتی تھی تو میں مصروف رہتا تھا تب تمہاری کال اور غصے بھرے پیغام میرے موبائل کی سکرین پر اذیت پھیلا دیتے تھے۔

مجھے بارشوں میں تمہارے ساتھ چلنے سے ڈر لگتا تھا۔تم نہیں جانتی تھیں کہ بارشیں جلد رک جاتی ہیں۔

پر تم نہیں سمجھی کبھی،

پھر میں بھی بولنے لگا۔۔خاموشی ٹوٹ گئی، چوڑیاں لا کر دیں۔۔ٹوٹ گئیں۔۔بارش میں ساتھ چلا دھوپ نکل آئی۔۔

اب جب کہ تم نہیں ہو۔ کہیں بھی نہیں ہو۔

تب میں کہنا چاہتا ہوں۔

میں ڈرتا تھا تمہیں کھو دینے سے اور اب ڈرتا ہوں۔

خاموشی سے، دھوپ سے،، خالی کلائیوں سے، کاش تم سمجھ سکتی

خاموشی کو آواز توڑ دیتی ہے اور تمہارا میرا تعلق خاموشی کے جیسا تھا۔ ٹوٹنا تھا ٹوٹ ہی گیا آخر!



باس زدہ خواب

بہت بعد میں کبھی کبھی خوابوں سے باس آنے لگتی ہے جیسے ساون میں لحافوں سے آتی ہے

ایسے میں کچھ گمشدہ آنکھوں کی چمکدار دھوپ یاد آتی ہے اور جی، چاہتا ہے کہ ان میں اپنے سارے خواب پھیلا لئے جائیں جیسے دھوپ میں لحاف پھیلا کر ان کی باس ختم کی جاتی ہے۔

باس زدہ خواب دیکھنے والی آنکھیں کسی۔ پرانے برگد کے درخت کے تنے جیسی ہو چکی ہوتی ہیں کھوکھلی، خالی اور تنہا،

کچھ آنکھیں تنہائی کا شکار ہو جاتی ہیں۔

ایسی آنکھوں میں خواب اپنے گھونسلے نہیں بناتے بالکل ایسے ہی جیسے پرانے برگد کے درخت پر پرندے اپنا گھونسلا بنانے سے ڈرتے ہیں!



ختم شُد

اس کتاب پر اپنی رائے کامنٹ باکس میں دیں